احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیرالاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

اکتوبر 2011ء

غلامئ مصطفی ﷺ کا تقاضا
آقا ﷺ سے وفا کرنا

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا علمی و تربیتی خطاب

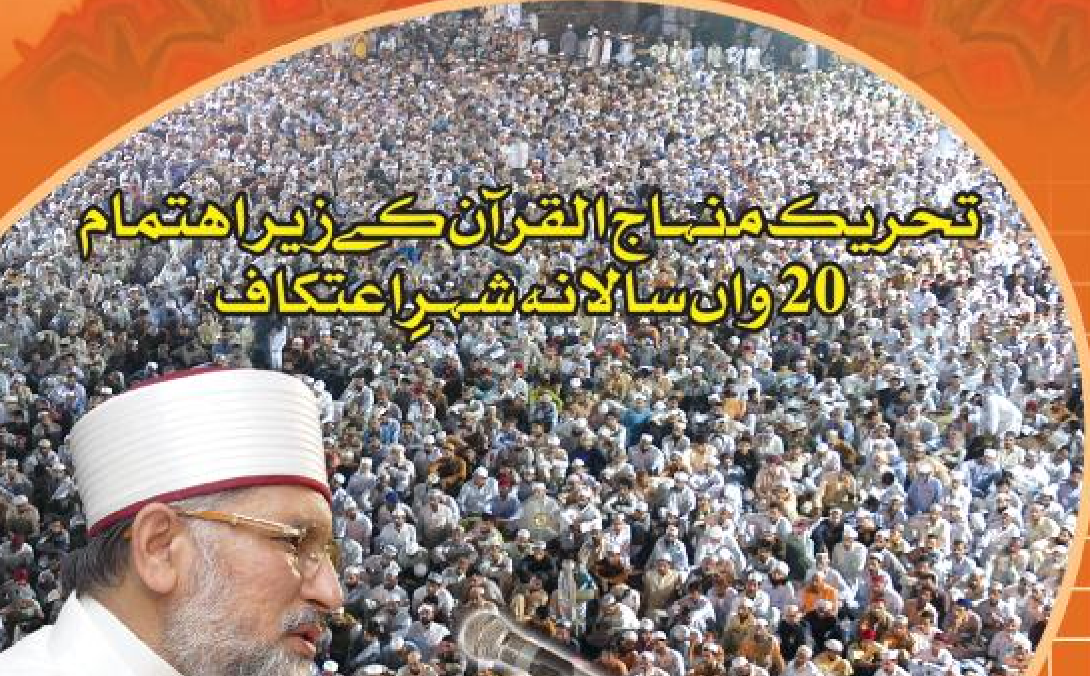

تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام
20 واں سالانہ شہرِ اعتکاف

حقائقِ تصوف اور طرائقِ معرفت

شیخ الاسلام کے خصوصی علمی و روحانی خطابات

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

مِرا سہارا وہی میرا آسرا بھی وہی
کہ ابتدا بھی وہی اور انتہا بھی وہی

بدلتا رہتا ہے عسرت کو وہ فراخی میں
کرے جو مشکلیں آساں مِرا خدا بھی وہی

گرے ہوؤں کا وہی دستگیر و مولا ہے
سُجھا رہا ہے اندھیرے میں راستا بھی وہی

رہِ طلب میں وہ سب کا ہے آخری مطلوب
وہی ہے منزلِ مقصود، رہنما بھی وہی

حریمِ ناز میں وہ آشنا و محرم راز
وہی دعا ہے مِری اور التجا بھی وہی

کبھی جو سایہ بھی ہوتا ہے تیرگی میں جدا
تو اس گھڑی مِرے ہمراہ دوسرا بھی وہی

وہ بے ٹھکانوں کا نیّر ہے ملجا و ماویٰ
گدائے بے نوا کی آخری نوا بھی وہی

(ضیاء نیّر)

نعت بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ملاؤں کیا میں کسی سے نظر مدینے میں
جھکا ہے بارِ ندامت سے سر مدینے میں
میں صبح و شام زیارت کو جاؤں روضے کی
الٰہی! کاش ہو میرا بھی گھر مدینے میں
سوائے ”لا“ کے سبھی کچھ جہاں سے ملتا ہے
کھلا ہوا ہے کرم کا وہ در مدینے میں
میں دیکھتا تھا مناظر حریم طیبہ کے
تھی ساتھ ساتھ مری چشم تر مدینے میں
جمالِ نورِ مجسم کو دیکھنے کے لئے
اتر کے آگئے شمس و قمر مدینے میں
بہشت آپ ہے مشتاق جن کے جلوؤں کی
چھپے ہوئے ہیں وہ لعل و گہر مدینے میں
چمک اٹھے سبھی دیوار و در بقول انسؓ
جب آئے خیر سے خیر البشر مدینے میں
جو جا رہی ہے گلستانِ خلد کو سیدھی
ہے اُس کمال کی اِک راہ گزر مدینے میں
بفیضِ کیف مسلسل کبھی یہ لگتا ہے
تمام عمر ہوئی ہے بسر مدینے میں
دعائیں ہم نے جو شہزاد رب سے مانگی تھیں
وہ ہوگئیں ہیں سبھی بارور مدینے میں

(محمد شہزاد مجددی)

اداریہ:

پاکستان کی نظریاتی اساس پر حملے

اس میں کوئی شک نہیں کہ بیسوی صدی کے وسط میں دنیا کے نقشے پر پاکستان کے نام سے ابھرنے والا ملک، اسلام کے گہوارے کے طور پر بنایا گیا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ ہم بطور قوم اس وعدے سے پھر گئے ہیں۔ اس کے بانی قائدین سے لے کر اس کے لئے جان قربان کرنے والے لاکھوں افراد اور اس کی سرزمین پر ہجرت کر کے آنے والے کروڑوں مہاجرین سب کے سب کلمہ گو مسلمان تھے۔ قربانیوں کے یہ سارے سلسلے مضبوط مذہبی اور دینی جذبے کے تحت ہی قائم رہے ورنہ کوئی آسانی سے جان دیتا ہے اور نہ گھر بار چھوڑ کر در بدر کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوزائیدہ پاکستان پر بھارتی نیتاؤں نے پہلے ہی دن سے چڑھائیاں اور حملے جاری رکھے۔ 47، 65، 71ء اور 1998ء کی پاک بھارت جنگیں بار بار اس دوقومی نظریے کی تعبیر و تشریح کرتی رہیں۔ جغرافیائی سرحدوں پر ہونے والے ان مسلسل حملوں کے ساتھ ساتھ اب عالمی طاغوت کے ساتھ سازباز کرتے ہوئے بھارت کی طرف سے ہماری نظریاتی اساس پر بھی حملوں کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ مخالفین اسلام اور دشمنانِ وطن کی طرف سے یہ زہریلے حملے دوسطحوں پر جاری ہیں۔ ایک میڈیا کی سطح پر اور دوسرا بعض سازشی افراد کی پروپیگنڈہ مہم کی صورت میں۔ اس مہم کے دو حصے ہیں۔ ایک ان مذہبی لوگوں پر مشتمل ہے جن کے اکابرین نے تحریک پاکستان میں نہ صرف خود حصہ نہیں لیا بلکہ اس کی بھرپور مخالفت بھی کی۔ ان لوگوں کے نزدیک علامہ اقبال اور قائداعظم مغربی تعلیمی اداروں کے پڑھے ہوئے لوگ تھے۔ اس لئے انہوں نے اسلام مخالف قوتوں کا آلہ کار بن کر مسلمانان برصغیر کی اجتماعی قوت کو دوحصوں میں تقسیم کر کے تاریخی غلطی کا ارتکاب کیا۔ پاکستان مخالف مہم کا دوسرا فریق اس مذہبی گروہ سے بالکل برعکس ہے وہ لوگ خود کو سیکولرازم کا علمبردار سمجھتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان کی بقاء و سیکولرازم سے مشروط ہے۔ ان کے نزدیک مذہبی جماعتیں اور شخصیات آئے روز قتل و غارت گری میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس لئے ملک کی مذہبی شناخت پوری دنیا کے ساتھ ساتھ خود کئی پاکستانی طبقات کے لئے بھی خطرناک ہے۔ اس دعویٰ کی دلیل کے طور پر وہ قائداعظم کو خالص سیکولر شخص کے طور پر متعارف کراتے ہیں اور دوقومی نظریے کی شدید مخالفت کرتے ہیں۔

نام نہاد اشرافیہ کا ایک گروہ بھی اس ابلیسی مہم کا حصہ ہے جس میں بعض سیاسی گروہوں کے قائدین اور سماجی و صحافتی شخصیات شامل ہیں۔ یہ لوگ آئے روز نئے سے نئے نظریاتی الجھاؤ اور فکری تضادات گھڑ کر قوم کو گمراہ کرنے کی نہایت منفی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں۔ حالیہ دنوں میں ان کی زبانیں کچھ زیادہ ہی زہر اگلنے لگی ہیں۔ ابھی فضاؤں میں کراچی کے حالات پر سیاسی جماعتوں کی ایک دوسرے پر الزامات کی بازگشت گونج رہی تھی کہ ایک معاصر T.V چینل پر ایک صحافی خاتون کو بٹھایا ہوا تھا جو دوقومی نظریے سمیت اسلامی اور پاکستانی تاریخ کے بہت سے حقائق کو جھوٹ کا پلندا قرار دے رہی تھی مثلاً وہ اس بات پر انتہائی غصے اور نفرت انگیز لہجے میں دلائل دے رہی تھی کہ پاکستان کلمہ طیبہ کی بنیاد پر ہرگز قائم نہیں ہوا۔ قائداعظم نے پاکستان کو اسلامی قوانین کی تنفیذ کے لئے نہیں بنایا۔ اسی طرح اقبال نے بھی کسی ایسے ملک کا تصور پیش نہیں کیا جہاں اسلام کا تشخص اجاگر کیا جاسکے۔ ''سیفما'' سے تعلق رکھنے والی اس خاتون کی زبان سے الفاظ نہیں بلکہ آگ کے زہریلے شعلے نکل رہے تھے اور یہ سب کچھ آن ائر پوری قوم سن رہی تھی۔ اس نے مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں بھارت کے واضح جارحانہ منفی کردار کی بجائے پاکستان آرمی کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ بقول اس کے پاک آرمی کے افسروں اور نوجوانوں نے

بنگالی خواتین کو (العیاذ باللہ نسل تبدیل کرنے کے لئے) اندھا دھند ریپ کیا۔ حالانکہ اس پرانے الزام کی تردید خود بنگلہ دیش کے دانشوروں کی کتب اور بیانات سے کئی بار ہو چکی ہے۔

قارئین! آپ خود اندازہ لگائیں کیا یہ خواتین وحضرات جو آئے روز پاکستان اور اس کی بانی قیادت کے بارے میں مختلف تقریبات میں نئے نئے شوشے چھوڑتے ہیں پاکستان میں بیٹھ کر اس کی پیٹھ میں چھرا نہیں گھونپ رہے؟ حقیقت میں یہ آستین کے سانپ ہیں۔ انہیں جب بھی ملک دشمنی کا موقع ملتا ہے، اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لئے ''حقِ نمک'' ادا کرتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو آج کل نوجوان نسل کو ورغلانے اور انہیں پاکستان کے بنیادی نظریئے سے برگذشتہ کرنے کا ٹاسک ملا ہوا ہے مگر انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ابھی تک ہمارے بزرگوں کی شکل میں وہ نسل موجود ہے جنہوں نے پاک وطن کے لئے خود قربانیاں دیں اور ہجرت کی۔ ان کی سماعتوں سے ابھی تک قائدین تحریک پاکستان کے نعرے اور تقاریر ٹکرا رہی ہیں۔

اسلامیان برصغیر نے تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت اور شہادتوں کا طویل سلسلہ سیکولر پاکستان کے قیام کی خاطر نہیں بلکہ ایک نظریاتی مسلمان ملک کے لئے پیش کیا تھا جہاں زبان، نسل، رنگ اور صوبوں کی شناخت مٹا کر تمام کلمہ گو پرچم محمدی ﷺ کے نیچے جمع ہو جائیں اور اسلام کے آفاقی پیغامِ امن کو پوری دنیا تک پہنچانے میں پاکستان ایک متحرک مرکز کا کردار ادا کرے۔

جہاں تک دیگر مذہبی اقلیتوں کا تعلق ہے تو وہ ہمیشہ کی طرح پاکستانی معاشرے کا حصہ ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلی اسلامی ریاست مدینہ میں تمام مذہبی اکائیوں کے ساتھ دنیا کا پہلا تحریری دستوری معاہدہ ہوا تھا۔ قائداعظمؒ کا یہ کہنا کہ پاکستان تمام مذاہب کے ماننے والوں کے لئے پرامن ملک ہوگا اس سے اس کے سیکولر ہونے کی دلیل نہیں دی جا سکتی۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح پندرہ صدیوں سے آج تک جملہ مسلم ممالک میں تمام اقلیتیں پرامن بقائے باہمی کے جذبے کے تحت خوش وخرم رہ رہی ہیں۔ مسلمان حکمرانوں کی اس فراخدلی اور رواداری کی گواہی خود بھارت کے ہندو بھی دیتے ہیں جن کی کئی نسلیں مسلمانوں کے دورِ اقتدار میں یہاں پلتی اور بڑھتی رہیں مگر تمام تر اختیارات کے باوجود کسی مسلمان فرمانروا نے ان پر زبردستی اپنے مذہبی عقائد مسلط نہیں کئے۔ اگر ایسا ہوتا تو سات آٹھ سو سالہ اقتدار کے بعد بھارت میں ہندو اتنی کثرت کے ساتھ موجود نہ ہوتے۔ یاد رہے کہ ہندو مسلم تفریق جو مسلمانوں کا دورِ حکومت ختم ہونے کے بعد انگریزوں کے دور میں شروع ہوئی، پہلے نہیں تھی۔ پاکستان کا جواز بھی اس وقت پیدا ہوا جب ہندو اکثریت نے مسلمانوں کو روزمرہ زندگی کے معاملات میں نفرت، حقارت اور بدسلوکی کا نشانہ بنانا شروع کیا۔ بھارت میں آج بھی کروڑہا مسلمان آباد ہیں مگر کشمیر اور حیدر آباد جیسے مسلم اکثریتی علاقوں سمیت کون سا علاقہ ہے جہاں آئے روز مسلمان مذہبی تفریق اور ظالمانہ تعصب کا نشانہ نہیں بنتے۔

آج جو لوگ قائداعظم کی تقریروں اور تحریروں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہوں نے کہیں بھی پاکستان کو اسلامی ملک بنانے کا ذکر نہیں کیا (قطع نظر اس کے کہ وہ ایک مخلص مسلمان تھے اور ان کی کاوشوں کا مدعا بھی مسلمانان برصغیر کی بہتری اور بھلائی تھی جس کے لئے وہ علیحدہ ملک چاہتے تھے) ایک لمحے کے لئے یہ تصور کر بھی لیا جائے کہ قائداعظم پاکستان کو خالص مذہبی ریاست نہیں بنانا چاہتے تھے، تب بھی ان لوگوں کی کاوشیں کامیاب نہیں ہوں گی۔ اس لئے کہ اکیلے قائداعظم نے پاکستان نہیں بنایا بلکہ تحریک پاکستان کے قائدین تو سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے جو پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے تھے۔ جن کی نمائندگی نامی گرامی علماء ومشائخ اور سیاسی وسماجی شخصیات کر رہی تھیں۔ انہوں نے متفقہ طور پر محمد علی جناح کو اپنا قائد اور وکیل بنایا ہوا تھا۔ انہیں ''قائداعظم'' کہنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ وہ ان تمام قائدین کی قیادت کر رہے تھے۔ لہٰذا مدعاء کلام یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس مملکت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور اپنی تحریر وتقریر

میں اس کی اہمیت اجاگر کی وہ تاریخ کا حصہ ہیں۔ یہ لوگ کس کس کی زندگیوں سے اسلام اور پاکستان کو نکال سکیں گے؟

یہ جو کہا گیا کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں پاکستان کی تاریخ درست نہیں پڑھائی جا رہی۔ جن لوگوں نے یہ تاریخ بنائی ہے انہیں صحیح اور غلط کا زیادہ علم ہے یا جو ساٹھ سال بعد غیر ملکی آقاؤں کی گود میں بیٹھ کر اس کا جائزہ لے رہے ہیں انہیں حقیقت حال کا بہتر علم ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ اس تاریخ کو ایک مخصوص طبقہ اپنے خودساختہ تصورات کے آئینے میں درست نہیں سمجھ رہا۔ یہ لوگ اس واضح تاریخ کو مٹانے کے جتن کر رہے ہیں جس کے اوراق لاکھوں شہیدوں کے خون سے لکھے گئے ہیں۔ یاد رہے کہ خون سے لکھی ہوئی تاریخ ہمیشہ اَن مٹ اور دائمی ہوتی ہے۔

اب آیئے میڈیا کے اس کردار کا جائزہ لیتے ہیں جس سے پاکستان کی نظریاتی اساس پر براہ راست حملے ہو رہے ہیں اور ہماری نوجوان نسل تیزی کے ساتھ ''مسلم شناخت'' کھو رہی ہے۔

ہمارے میڈیا چینلز تو اب دن دگنی رات چوگنی ترقی کر کے اپنے ''فیوضات'' کا سلسلہ دراز کر لیا ہے۔ انھوں نے رمضان میں اگرچہ چند اچھے پروگرام بھی دکھائے مگر جیسے ہی رمضان رخصت ہوا ان کا قبلہ ہی تبدیل ہو گیا۔ بالکل اسی طرح جیسے محرم کے ابتدائی عشرے میں ہمارا میڈیا مومن بن جاتا ہے اور اگلے ہی روز سب خواتین و حضرات یزیدی لشکر میں شامل ہو جاتے ہیں۔ غضب خدا کا، لچر پن میں یہ چینلز ایک سے بڑھ کر ایک بیہودگی منظرِ عام پر لاتے جا رہے ہیں اور اس ''بے تکلف'' دوڑ میں بازی لینے کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔ سوائے ایک آدھ چینل کے ہر جگہ ناچ گانے پر مبنی ناقابلِ برداشت مخربِ اخلاق پروگرامز نشر ہو رہے ہیں حالانکہ ہمارے شمالی علاقہ جات، بلوچستان اور کراچی سمیت پورے ملک میں لاشیں گر رہی ہیں۔ ملک کی سلامتی کو خطرات لاحق ہیں۔ ثابت ہو چکا ہے کہ اس ملک دشمن سازش میں دین دشمن ابلیسی تکون کا اہم رکن بھارت پیش پیش ہے۔ مگر ہمارا میڈیا صرف روپیہ بنانے کے چکر میں پوری قوم کو بے غیرتی اور ایمانی ہلاکت کی وادیوں میں دھکیل رہا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس نے لوگوں کو اسی بھارتی کلچر کا دیوانہ بنانے کی جیسے قسم کھا رکھی ہے۔ بقول میر

کتنے سادہ ہیں میر بیمار ہوئے جس کے سبب　　اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

یہ فحش بھارتی کلچر ہماری معاشرتی اور مذہبی اقدار کو بری طرح نگل رہا ہے۔ آپ ملک کے کسی شہر سے کسی گاڑی پر بیٹھیں آپ کو ہر طرف ننگے جسموں کے ساتھ رقصاں بھارتی اداکاروں کے ڈانس اور فحش بھارتی گانوں کی آوازیں سنائی دیں گی۔ اب تو ہمارے ملک کے سینما گھر بھی بھارتی فلموں سے آباد کیے جا رہے ہیں۔ ملک و ملت کی غیرت و حمیت فروخت کر کے اگر دولت کمانی ہے اور تفریح کا سامان کرنا ہے تو لعنت ہے ہمارے مذہبی، امتیازی دعوؤں پر۔ ایک طرف ہم نوجوان نسل کے لئے دوقومی نظریے کے تحفظ کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنے مادر پدر آزاد میڈیا کی وسیع تر تخریب کاری سے آنکھیں بند کیے بیٹھے ہیں۔

اسلام اور پاکستان دشمن طاقتیں غیر روائتی انداز سے ہماری نوجوان نسل کے ایمانی جذبوں پر شدید حملے جاری رکھے ہوئے ہیں اور ان حملوں کے آلہ کار وہ پاکستانی چینلز ہیں جن پر تفریح کے نام پر اسلام، نظریۂ پاکستان اور شرافت کی دھجیاں اڑائی جا رہی ہیں۔ ہمارے ان ٹی وی چینلز پر درجنوں ڈرامے ایسے چل رہے ہیں جن میں لڑکوں اور لڑکیوں کو آزادانہ اختلاط کی ترغیب اور گھر سے بھاگ کر کورٹ میرج کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اسی طرح موبائل کمپنیوں کے اشتہارات کا طوفان بدتمیزی ہے جن میں آئے روز نئے سے نئے سلوگن متعارف کرائے جاتے ہیں۔ کبھی ''رات لمبی بات لمبی'' ''ٹاک شاک'' ''بول کے لب آزاد ہیں تیرے'' ''آؤ بات کریں'' اور انہی جیسے دیگر ذومعنی جملوں کے ذریعے

نوجوان نسل کو بلاخوف وخطر غیر اخلاقی گفتگو کا آزادانہ موقع معمولی سی قیمت میں فراہم کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے، اور یہ فری پیکیجز ہی ہماری سوسائٹی کو جڑوں سے کھوکھلا کررہے ہیں۔ جس کا اثر روز مرہ کی زندگی میں ہر چوک، ہر گلی، ہر بس سٹاپ اور دیگر مقامات پر دیکھا جا سکتا ہے جہاں دنیا و مافیھا سے بے خبر نوجوان لڑکے لڑکیاں مصروف گفتگو نظر آتے ہیں۔

موبائل کمپنیوں کے علاوہ دیگر ملٹی نیشنل اداروں کے یہ اشتہارات اتنی کثرت کے ساتھ بار بار ٹی وی سکرین پر نشر ہوتے ہیں کہ نہ چاہتے ہوئے بھی یہ نوجوانوں کے حافظہ پر اثرانداز ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اور بچیاں انہی جملوں پر مبنی گفتگو کرتے نظر آتے ہیں۔ کبھی ان کی زبان پر ''شیلا کی جوانی'' اور کبھی ''منی بدنام ہوئی ڈارلنگ تیرے لئے'' سنائی دیتے ہیں۔ آپ خود فیصلہ کریں کہ ہم کون سی نسل تیار کر رہے ہیں۔ رہی ہمارے کیبل زدہ گھروں کی سنجیدہ خواتین تو وہ پہلے سے سٹار پلس کی ریگولر ویورز ہیں۔

اب تو حساس اداروں کی طرف سے ایسی رپورٹس بھی سامنے آرہی ہیں جن میں واضح انداز میں بعض TV چینلز کوان طاقتوں کی طرف سے کروڑوں ڈالر اسی قبیح مقصد کی تکمیل کے لئے دیئے جا رہے ہیں۔ اس لیے ہماری چیف جسٹس افتخار حسین چوہدری سے دردمندانہ درخواست ہے کہ جس طرح انہوں نے کراچی بچانے کے لیے سوموٹو ایکشن لے کر تحقیقات شروع کر دی ہیں اور اس کے حوصلہ افزاء نتائج بھی دیکھے جارہے ہیں۔ اسی طرح پاکستان کی نوجوان نسل کا ایمان، اس کے نظریاتی تشخص اور اسلام کی غیرت کو بچانے کے لئے بھی سوموٹو ایکشن لیں۔ اس سے پاکستانی معاشرے پر جو اثرات مرتب ہوں گے سو ہوں گے مگر کم از کم آپ کے نامہ اعمال میں ایک ایسا اضافہ ضرور ہو جائے گا جو آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب برحق ﷺ کے سامنے سرخرو کر دے گا۔

ایسے نام نہاد پاکستانی T.V چینلز کے غیر ملکی پروگرامز غیر اخلاقی اشتہارات سمیت تمام غیر ملکی مخرب اخلاق فلموں پر پابندی لگائی جائے۔ ورنہ سیفما کی طرح سٹیج روز لگیں گے اور عام لوگ بھی یہ کہتے ہوئے سنائی دیں گے کہ ہم تو ایک کلچر کے دلدادہ ہیں اس لیے یہ سرحدی لکیریں کیوں کھڑی کی گئی ہیں۔

اسلام میں زمینی خطوں سے کہیں زیادہ تعلیمات اور نظریات کے تحفظ پر زور دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جغرافیے بدل بھی جائیں تو دوبارہ متشکل ہو جاتے ہیں مگر قوم کا مزاج فکر و عمل بدل جائے، اس کی روایات دم توڑ دیں یا تعلیمات کی روح فوت ہو جائے تو وہ صدیوں تک دوبارہ بحال نہیں ہو پاتیں۔ سماجی روایات اور ثقافت صدیوں کی جانفشانی سے تعمیر ہوتی ہیں اس کی حالیہ اور بہت خوبصورت مثال ترکی ہے جو ایک صدی کے بعد اسلامی روایات کی طرف لوٹنا شروع ہوا ہے۔ نہ جانے ان اقدار کی طرف لوٹنے اور انھیں اپنے معاشرے میں راسخ کرنے کے لئے ہمیں مزید کتنا عرصہ درکار ہوگا۔۔۔؟

ہمارے ہاں فحاشی و بے حیائی کا پنپتا ہوا کلچر اسی بھارت نواز میڈیا کا شاخسانہ ہے۔ یہ اسی طرح سرگرم رہا تو اس آزادی کا معنی کیا ہوگا جس کے لیے برصغیر کے مسلمانوں نے تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت کی تھی اور آزادی کی اس جنگ میں لاکھوں لوگ لقمہ اجل بنے تھے۔

تحریک منہاج القرآن کے لاکھوں کارکنان دراصل تحریک تکمیل پاکستان کے مشن کو مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے انہیں اندرون اور بیرون ملک مندرجہ بالا دونوں سازشوں کا ادراک بھی کرنا چاہئے اور اپنے اپنے دائرہ اختیار میں ان دونوں زہریلے فتنوں سے قوم کو بچانے کی سعی بھی بروئے کار لانی چاہئے۔ اس لئے کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے جس بیداریٔ شعور کا آغاز فرمایا ہے، اس ہمہ جہتی تحریک کا ایک پہلو اپنے نظریات اور روایات کا تحفظ بھی ہے۔

ڈاکٹر علی اکبر قادری

غلامیٔ مصطفیٰ ﷺ کا تقاضا

آقا ﷺ سے وفا کرنا (حصہ دوم)

بیداریٔ شعور ورکرز کنونشن سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا خصوصی خطاب☆

مرتّب: محمد یوسف منہاجین معاون: اظہر الطاف عباسی

زیرنظر مضمون شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا بیداریٔ شعور کنونشن (cd#1462 مورخہ 2011-04-09) کے موقع پر کارکنان تحریک سے کیا گیا خطاب ہے۔ اس خطاب کے پہلے حصہ (شائع شدہ مجلّہ ماہ ستمبر 2011ء) میں آپ نے بیداریٔ شعور کو قرآن پاک کی متعدد آیات کی روشنی میں بیان فرماتے ہوئے انقلاب کا حقیقی راستہ، صبر و استقامت، تحریک کی حکمت عملی و غلط فہمیوں کا ازالہ اور بیداریٔ شعور تحریک کی چار جہات کو تفصیلاً بیان فرمایا۔ اسی خطاب کا دوسرا حصہ نذرِ قارئین ہے۔

اخلاص وللّٰہیت سنتِ انبیاء ہے، تمام انبیاء نے مشقتیں اٹھائیں، ساری کائنات کے لوگوں کی دین کے لئے کی جانے والی محنتوں کو اگر جمع کرلیا جائے تو بھی ایک نبی کی محنت کے ذرہ کے بھی برابر نہیں۔ یعنی اتنی تکالیف اٹھائیں مگر اخلاص وللّٰہیت ہی ان کا نعرہ، مشن اور مقصود تھا۔ اخلاص وللّٰہیت اور استقامت کے جو مظاہر ہمیں جملہ انبیاء کرام بالخصوص حضور ﷺ کی سیرت اور اسوۂ صحابہؓ میں نظر آتے ہیں، آج انہی نقوش کی اتباع میں کامیابی ممکن ہوگی۔

حضرت نوح علیہ السلام نے 900 سال تک اللہ کے دین کی تبلیغ کی اور اسے غالب کرنے کی کوششیں کیں مگر قوم نے قبول نہ کیا۔ قوم کے اس رویہ کے باوجود فرمایا:

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَo

سو اگر تم نے (میری نصیحت سے) منہ پھیر لیا ہے تو میں نے تم سے کوئی معاوضہ تو نہیں مانگا۔ میرا اجر تو صرف اللہ (کے ذمۂ کرم) پر ہے۔ (یونس، ۱۰:۷۲)

جدوجہد کا اصل پیمانہ یہ ہے، اس میں دو راز ہیں:

۱۔ طویل مدت بعد بھی قوم نے منہ پھیرے رکھا مگر آپ دل برداشتہ نہیں ہوئے، دل شکستہ نہیں ہوئے، حوصلہ نہیں ہارا بلکہ استقامت، صبر، توکل پر قائم رہے۔

۲۔ للّٰہیت پر قائم رہے کہ میرا اجر میرے اللہ کے پاس ہے۔ قوم کے اس منفی ردعمل کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ پھر بھی کامیاب ہوں کیونکہ اللہ کے پیغام کو پہنچانے کے لئے جو محنت ومشقت میں نے کی وہ اللہ کے حضور قبول ہوگئی۔

کارکنانِ تحریک! ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ آپ کو نتائج بھی دے گا مگر کوشش اخلاص وللّٰہیتکی نیت کے ساتھ ہونی چاہئے۔ آگے نگاہ نہ رکھیں کہ سویرا کب طلوع ہوگا؟ وہ اللہ کا امر ہے، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ آپ سوئے ہوئے ہوں، صبح اٹھیں تو یکایک حالات بدل چکے ہوں۔ جس طرح پانی زیرزمین چلتا رہتا ہے اور کسی کو پتہ نہیں ہوتا کہ یہاں نیچے پانی چل رہا ہے، کچی و پکی زمین ہوتی ہے مگر جہاں زمین ہموار اور کچی نظر آتی ہے یک لخت پانی زور مارتا ہے اور چشمہ بن کر پھوٹ پڑتا ہے، اسی طرح کسی بھی

وقت انقلاب کا چشمہ پھوٹ سکتا ہے مگر آپ اپنا تسلسل کے ساتھ عمل حوصلہ ہارے بغیر جاری رکھیں، نگاہ اللہ کے فضل پر رکھیں۔

ھود علیہ السلام بھی للّٰہیت کا یہ سبق دیتے ہیں:

یٰــقَوۡمِ لَآ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ (ھود، ۱۱:۵۱)

اے میری قوم! میں اس (دعوت و تبلیغ) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر فقط اس (کے ذمۂ کرم) پر ہے جس نے مجھے پیدا فرمایا ہے،

لوگوں کے کسی صلے پر نگاہ نہیں، ہجرت بھی کرگئے، وطن چھوڑ گئے، معاشرے بدل گئے، اگلی جگہ پر جاکر انقلاب آیا۔ مقصد بات کا یہ ہے کہ حالات اتنے نامساعد تھے، ناموافق تھے، مگر حوصلے نہیں ہارے۔

صالح علیہ السلام نے کہا:

وَمَآ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَؕ (الشعراء، ۲۶:۱۴۵)

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

وَمَآ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَؕ (الشعراء، ۲۶:۱۶۴)

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا:

وَمَآ اَسۡئَلُکُمۡ عَلَیۡہِ مِنۡ اَجۡرٍ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَؕ (الشعراء، ۲۶:۱۸۰)

آقا ﷺ نے بھی یہی بات فرمائی:

قل لا اسئلکم علیه اجرا ان اجری الا علی الله.

اجر صرف اللہ سے لینا اس کو اخلاص اور للّٰہیت کہتے ہیں۔ لہٰذا کارکنان اس سبق کو ہمیشہ ذہن نشین رکھیں کہ آپ جو کررہے ہیں یہ خدمت دین ہے، کسی شخص کی آپ نوکری نہیں کررہے، کسی کے لئے کام نہیں کررہے بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دین کی خدمت کررہے ہیں۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے غلام ہیں اور وہ ہمارے مالک ہیں۔ وہ اللہ جس کے ہم بندے ہیں وہ ہمارا خالق ہے۔ پس خدمت دین کریں تو لوجہ اللہ۔۔۔ تحریک سے تعلق رکھیں تو لوجہ اللہ۔۔۔ جدوجہد کریں، لوجہ اللہ۔۔۔ ہر قسم کی ایثار و قربانی، لوجہ اللہ۔۔۔ دعوت و تربیت پر محنت کریں، لوجہ اللہ۔۔۔ تنظیم سازی پر محنت کریں، لوجہ اللہ۔۔۔ بذریعہ کیسٹ گھر گھر اور فرد فرد تک دعوت پہنچائیں تو لوجہ اللہ۔۔۔ مال و دولت کی قربانی کریں، لوجہ اللہ۔۔۔ وقت قربان کریں، لوجہ اللہ۔۔۔ اپنی ساری توانائیاں صرف کریں، لوجہ اللہ۔۔۔ جوانیاں لگادیں، لوجہ اللہ۔۔۔

اگر آپ آج سے نیت یہ کریں کہ ہر کام لوجہ اللہ کرنا ہے اور اجر اللہ سے لینا ہے تو اس سے مایوسی آپ کی زندگی سے ختم ہوجائے گی۔ مایوسی سے خود نکلنے اور قوم کو نکالنے کے لئے کارکنان کے لئے لازم ہے کہ اس فکر اور سوچ کو پختہ کریں اور عامۃ الناس تک اس پیغام کو لے کر جائیں۔

غلامی سے وفا تک کا سفر۔ سیرت صحابہؓ کی روشنی میں

آقا ﷺ سے جو نسبت اور غلامی کا تعلق ہے اس کو وفا تک پہنچائیں اور یہ وفا صحابہ کرامؓ کے طرز عمل سے سیکھیں۔ آقا ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے لوگ آپ کی دعوت پر قربان ہوتے، کوڑے کھاتے، آگ میں جلایا جاتا، پتھروں کے نیچے ان کو زدوکوب کیا جاتا، ان کو مشقتیں و اذیتیں دی جاتیں مگر آقا ﷺ کے ساتھ وفا نبھاتے۔

☆ ایک وقت ایسا آیا کہ آقا ﷺ نے کچھ لوگوں کو فرمایا کہ حبشہ ہجرت کرجاؤ، وہ لوگ وطن چھوڑ کے چلے گئے، کسی نے یہ تک نہ پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ خود ادھر بیٹھے ہیں اور ہمیں فرمارہے ہیں کہ حبشہ چلے جائیں۔ یہ وفاء ہے کہ وہ ایک حکم پر سب کچھ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے۔ حکم ہوا کہ واپس آجاؤ تو واپس آگئے۔ کسی نے یہ نہیں پوچھا یارسول اللہ ﷺ کبھی آپ وطن سے نکال دیتے ہیں اور

کبھی واپس بلا لیتے ہیں، آپ ﷺ کی پالیسیاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں، (استغفراللہ العظیم) کسی نے یہ نہیں کہا۔

اس بات کو سمجھیں کہ غلامی سے وفا کا سفر کس طرح ہے۔۔۔؟ غلامی، وفاء تک کیسے پہنچے۔۔۔؟ نسبت، وفاء تک کیسے پہنچے۔۔۔؟ تعلق وفاء تک کیسے پہنچے۔۔۔؟ کارکنو! استقامت و وفا کے یہ سبق اسوۂ صحابہؓ سے سیکھو۔

صحابہ کرامؓ مشقتیں اور اذیتیں اٹھاتے ہیں مگر کسی نے نہیں کہا یارسول اللہ ﷺ آپ کی دعوت کی خاطر مارے جارہے ہیں، ذبح ہورہے ہیں، قتل ہورہے ہیں، تباہ ہورہے ہیں، عجیب کام میں آپ نے ڈال دیا، کسی نے ایسا نہیں کہا کیونکہ یہی تو وفاء ہے۔

☆ ایک وقت ایسا آیا کہ آپ ﷺ اور آپ کا پورا خاندان شعب ابی طالب کی گھاٹی میں 3 سال محصور رہا۔ گویا تین سال جیل کا زمانہ رہا، مگر حوصلہ نہیں ہارے، وفا پر قائم رہے۔

☆ اعلان نبوت کے بعد آپ ﷺ نے 13 سال مکہ میں گزارے۔ اس دوران 400 کے قریب لوگ مسلمان ہوئے گویا وہ تحریک اسلام کے ابتدائی کارکن تھے۔ اس وقت مکہ کی آبادی دس لاکھ سے زیادہ تھی۔ میٹروپولیٹن سٹی تھا۔ آپ تصور کرسکتے ہیں کہ آج سے پندرہ سو سال پہلے اس دور میں دس لاکھ سے زیادہ آبادی تھی۔ آپ ﷺ نے مکہ میں تیرہ سال محنت، تگ و دو اور جدوجہد کی، اس دوران معجزات بھی دکھائے۔۔۔ پتھروں سے کلمے بھی پڑھائے۔۔۔ درختوں سے سجدے بھی کروائے۔۔۔ چاند کو دو ٹکڑے کیا۔۔۔ معراج کرکے آئے۔۔۔ مکہ میں کھڑے ہوکر بیت المقدس کے احوال بتائے۔۔۔ سب کچھ کفار کی آنکھوں کے سامنے تھا، اس کے باوجود 350 سے 400 کے قریب افراد حضور ﷺ کے خادم و غلام بنے اور مسلمان ہوئے مگر حوصلہ نہ ہارا۔

اس دوران بھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کی تحریک کی رفتار ہی کوئی نہیں، بڑی Slow progress ہے۔ 13 سال کے دوران اگر 10 لاکھ آبادی میں سے صرف 400 بندے کارکن بنے ہیں اور آپ ﷺ کی عمر 53 برس ہوگئی ہے تو یہ تحریک کب کامیاب ہوگی؟ کسی لب پر یہ سوال نہ تھا۔

کارکن انقلاب کب آئے گا؟ کیسے آئے گا؟ ان سوالات کے جوابات جاننے کے لئے اس بات کو اچھی طرح سمجھیں کہ جب کامیابی کا وقت آیا تو آپ ﷺ کے وصال سے صرف 2 سال پہلے مکہ فتح ہوگیا۔ آخری دو سالوں کے دوران یک لخت حالات پلٹ گئے۔ اس سے پہلے دفاع پر ہی رہے۔ Advancement نہیں ہوئی، 23 برس کی جدوجہد میں 21 برس Defence کرتے رہے۔ یہ مصطفیٰ ﷺ کی جدوجہد ہے۔

ڈوبا سورج بھی پلٹا رہے ہیں۔۔۔ چاند کے بھی ٹکڑے ہورہے ہیں۔۔۔ انگلیوں سے پانی کے چشمے بھی رواں ہورہے ہیں۔۔۔ پیالے کے تھوڑے سے دودھ سے کبھی 80 اور کبھی 400 لوگوں کو سیراب بھی کررہے ہیں۔۔۔ کبھی ایک لوٹے میں ہاتھ ڈال کے 1500 لوگوں کے وضو کے لئے اسباب بھی پیدافرما رہے ہیں۔۔۔ مردے زندے کررہے ہیں۔۔۔ ذبح ہوئی بکریاں دوبارہ زندہ ہورہی ہیں۔۔۔ بھیڑیئے بول رہے ہیں۔۔۔ پرندے اور جانور بول رہے ہیں۔۔۔ ستارے گواہی دے رہے ہیں۔۔۔ درخت زمین کو چیر کے سلام کرنے آرہے ہیں۔۔۔ کنکریاں مارتے ہیں تو دشمن اندھے ہوجاتے ہیں۔۔۔ صبح و شام جبرائیل اور ملائکہ کا نزول ہورہا ہے ۔۔۔ وحی آرہی ہے۔۔۔ آپ اندازہ کریں کہ اتنے عظیم معجزات کو دنیا دیکھ رہی ہے مگر 23 برس کی کوشش (Struggle) ہے اور 21 برس صرف Defence پر رہے۔

پس کارکنان اسوۂ مصطفیٰ ﷺ کے اس پہلو

سے استقامت کا سبق سیکھیں اور اسوۂ صحابہ سے کارکن بننے کا سبق سیکھیں۔ ان باتوں کو چھوڑ دیں کہ یہ کب ہوگا؟ کیا ہوگا؟ کیسے ہوگا؟ جو شخص آپ کو ان چکروں میں ڈالتا ہے وہ شخص کچا اور ناپختہ ہے، وہ نہ کارکن بنا ہے اور نہ اس کے پاس Clearty of thoughts ہے وہ صرف Confused آدمی ہے۔ اس کو پتہ ہی نہیں کہ انقلاب کیا ہوتا ہے۔ یہ ایک طویل سفر ہے۔ صرف اسی ایک بات کی طرف توجہ کریں تو ایسے سوالات و خدشات ختم ہو جاتے ہیں کہ آقا ﷺ کی عمر مبارک 61 برس ہوگئی تھی اور اس دوران آپ ﷺ صرف Defence پر ہی رہے۔ ان آخری دو سالوں میں تبدیلی کیسے ہوئی؟ آیئے اس پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

صلح حدیبیہ، فتح مکہ کا پیش خیمہ

آقا ﷺ حدیبیہ میں 6 ھجری کو دس سال تک کفار مکہ سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرکے آئے تھے کہ ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے۔ ایک سال بعد کفار مکہ نے خود ہی اس معاہدہ حدیبیہ کو توڑ دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں پر اس معاہدہ کی پاسداری کی کوئی ذمہ داری نہ رہی اور سورۃ برات نازل ہوئی کہ براۃ من اللہ ورسولہ کہ کفار نے معاہدہ توڑ دیا اب اس کی پاسداری کی پابندی اللہ، اس کے رسول ﷺ اور امت پر نہ رہی۔

آپ ایک لمحہ کے لئے سوچیں کہ بالفرض اگر قریش مکہ 7 ھجری میں معاہدہ نہ توڑتے تو آقا ﷺ عہد پر قائم رہتے ہوئے معاہدہ حدیبیہ کے تحت دس سال تک مکہ پر حملہ نہیں کرسکتے تھے اور نہ ایک دوسرے کے حلیف پر حملہ اور ایک دوسرے کے مخالف کی مدد کرسکتے تھے۔ گویا مکمل طور پر جنگ بندی کا معاہدہ تھا جبکہ آقا ﷺ کا قریش کے وعدہ توڑنے کے ٹھیک تین سال بعد وصال ہوگیا۔ اگر قریش نے وعدہ توڑا نہ ہوتا تو حضور ﷺ کے وصال کے سات سال بعد بھی ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم حملہ نہ کرنے کے پابند تھے۔ ایسی صورت حال میں فتح مکہ کہاں سے ہوتی؟ گویا فتوحات کے پہلے قدم (فتح مکہ) کا آغاز بھی آپ ﷺ کی حیات طیبہ میں نہ ہوسکتا۔

یہ ایک Eventual development ہے۔ اس بات سے میں آپ کو انقلاب سمجھا رہا ہوں کہ ایک پالیسی، ایک نظم، استقامت اور ایک واضح لائحہ عمل کے ساتھ حضور ﷺ کی رہنمائی و سرپرستی میں صحابہ کرامؓ چلتے رہے مگر انقلاب Development Eventual کی وجہ سے آیا۔ آقا ﷺ خیبر فتح کرکے واپس پلٹے تو علم ہوا کہ کفار نے معاہدۂ حدیبیہ توڑ دیا ہے، آقا ﷺ نے اس صورت حال میں پیش قدمی کی اور مکہ فتح کرتے ہوئے انقلاب اور فتوحات کی شروعات کا پہلا جھنڈا بلند فرمایا۔ یہ جدوجہد اور کاوشوں کا مصطفوی طریق ہے۔

صحابہ کرامؓ نے آخر وقت تک حضور ﷺ سے انقلاب اور فتح مکہ کا نہیں پوچھا بلکہ حدیبیہ کے دن تو صحابہ کرامؓ وعدہ امن کرنے کے موڈ میں ہی نہیں تھے، وہ تو اس وقت لڑنے کے لئے تیار ہوگئے تھے جب کفار نے آپ ﷺ کو عمرہ کی ادائیگی سے روک دیا تھا۔ صحابہ کرام تو احرام کھولنے اور قربانی کرنے کو تیار نہ تھے۔ کئی صحابہ نے جذبات میں آکر سوالات بھی کئے مگر آقا ﷺ نے صبر و استقامت کی تلقین فرمائی۔

کارکنو! اسی جذبہ، محنت اور استقامت کی آج ضرورت ہے۔ آقا ﷺ کے دین کی استقامت کے ساتھ مدد کرتے رہو اور یہ نہ پوچھو کہ متی نصر اللہ (اللہ کی مدد کب آئے گی؟) یہ مدد بھیجنے والے کا فیصلہ ہے، جب چاہے گا بھیج دے گا۔ وہ دیکھتا ہے کہ میرے بندے کتنی استقامت کے ساتھ میرے دین کے لئے محنت کررہے ہیں۔

☆ پھر اسی طرح ہجرت کی رات پہ نگاہ ڈالیں، آپ ﷺ نے 400 کارکنوں کی جماعت میں سے خاموشی کے ساتھ ایک شخص سیدنا صدیق اکبرؓ کو ساتھ لیا اور مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ کسی ایک کو کان و کان خبر نہیں ہوئی، صبح اٹھے تو سب کو پتہ چلا کہ آقا ﷺ تو مکہ چھوڑ کے مدینہ تشریف لے گئے ہیں۔ ان حالات میں بھی ایک شخص بھی بد دل نہیں ہوا۔۔۔ معاذ اللہ مرتد نہیں ہوا، الٹے پاؤں کفر کی طرف نہیں لوٹا۔۔۔ ایک شخص تک نے بھی وفا و تعلق نہیں توڑا۔۔۔ کسی نے سوال تک نہ کیا کہ یہ کیا ہوا؟ قربانیاں ہم دیتے رہے، کوڑے ہم کھاتے رہے، پتھروں کے نیچے ہمیں زدوکوب کیا جاتا رہا۔۔۔ وطن چھوڑ کے ہم جاتے رہے۔۔۔ ماریں ہم نے کھائیں، اذیتیں ہم نے اٹھائیں۔۔۔ اور ملک چھوڑ کے راتوں رات اچانک صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ کو لے کر چلے گئے۔ ہمیں بتایا تک بھی نہیں، پالیسی بناتے ہوئے ہم سے مشورہ تک بھی نہیں کیا۔ کارکن چونکہ پالیسی ساز ہوتے ہیں، کارکنوں کی پالیسیوں پر بڑی نگاہ ہوتی ہے اور امید کرتے ہیں کہ ہم سے پوچھا جائے گا مگر صحابہ کرامؓ نے اس حوالے سے بھی کوئی سوال نہ کیا۔

تاریخِ اسلام کے سب سے پہلے کارکن وہ مکی صحابہ کرامؓ تھے ان میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ یہ پالیسی کس نے بنائی، کہاں بنی اور کس نے مشورہ دیا؟ ہمیں اعتماد میں نہیں لیا۔ ایسا کوئی سوال بھی کسی صحابیؓ کے ذہن میں نہیں آیا۔

اس لئے کہ جب ایک بار اعتماد قائم ہوجائے تو وہ اعتماد قائم رہتا ہے، ٹوٹتا نہیں۔ آپ کا اعتماد میرے اوپر نہیں ہے بلکہ اعتماد رسول پاک ﷺ کی ذات گرامی پر ہے، تعلق مصطفی ﷺ پر ہے، عبدیت خدا پر ہے، نسبت مصطفی ﷺ پر ہے، یہ ان کا مشن ہے، آپ نے ان کا جھنڈا اٹھایا ہے، آپ اسوۂ صحابہؓ کی طرح آخر وقت تک لڑتے رہیں ان شاء اللہ جب رب نے فیصلہ کیا تو مدد اتر آئے گی، یہی انقلاب کا طریق ہے۔

حضور اکرم ﷺ کی دعوت فکر کو لوگ جھٹلاتے تھے۔ اس موقع پر اللہ پاک نے بڑی کام کی بات سمجھائی۔

سیدنا علی شیر خداؓ روایت کرتے ہیں کہ ابوجہل نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ

إنا لا نكذبك ولكن نكذب ما جئت به (الشفاء، ۱:۱۷)

اے محمد ﷺ! ہم آپ ﷺ کی ذات کا احترام کرتے ہیں آپ کو صادق و امین مانتے ہیں، ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے مگر جو پیغام، دعوت اور تعلیم آپ لے کر آئے ہیں ہم اس کو جھٹلاتے ہیں۔ آپ ﷺ مقدم ہیں، محترم ہیں، مکرم ہیں، صادق و امین ہیں، آپ ﷺ باعث احترام ہیں، آپ ﷺ کا احترام کرتے ہیں مگر جو دعوت، پیغام اور نظام آپ ﷺ لے کر آئے ہیں، جس نظام کی طرف آپ ﷺ بلا رہے ہیں ہم اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔

جنگ بدر کے دوران ایک صحابی کا اکیلے ابوجہل سے ٹکراؤ ہوگیا، اس صحابی نے ابوجہل سے کہا کہ ابوجہل! اس وقت کوئی تیسرا بندہ سننے والا نہیں، تم اور میں ہوں، آج مجھے محمد ﷺ کے بارے میں بتاؤ کہ تم نے محمد ﷺ کو زندگی میں کیسا پایا؟ اس نے کہا: مجھے رب کی عزت کی قسم! میں نے محمد ﷺ کو ہمیشہ صادق پایا، آپ ﷺ کی زبان سے کبھی جھوٹ نہیں نکلا۔

یہی بات قرآن پاک میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (الانعام: ۳۳)

سو یہ آپ کو نہیں جھٹلا رہے لیکن (حقیقت یہ ہے کہ) ظالم لوگ اللہ کی آیتوں سے ہی انکار کر رہے ہیں۔

یہی نفسیات آج بھی ہے۔ وہ تو آقا ﷺ کا مرتبہ تھا، کہاں وہ عالم پاک اور کہاں ہم جیسے خاک سے بھی بدتر لوگ۔۔۔ ہم تو کسی کام کے نہیں لیکن تجدید دین و احیائے اسلام کی کوششوں اور مصطفوی مشن کے حصول کے

دوران آج بھی لوگوں کی اسی قسم کی نفسیات سے پالا پڑ رہا ہے کہ اگر آپ کسی کو اس مصطفوی مشن میں شمولیت کی دعوت دیں تو وہ کہتے ہیں ہم آپ کے قائد کا بڑا احترام کرتے ہیں مگر جس فکر، دعوت اور نظام کی بات وہ کرتے ہیں، ہم اس کے پیچھے نہیں چل سکتے۔ ان کا یہ جواب اس لئے ہے کہ وہاں ان کے مفادات آڑے آجاتے ہیں۔

کارکنو! آپ کی تحریک پر سرور کائنات ﷺ کی سیرت وسنت کا فیض ہے۔ آقا ﷺ کا فیض آج بھی چودہ سو سال بعد آپ کی تحریک اور آپ کی قیادت پر ہے۔ لوگ آج بھی آپ کی قیادت کی شخصیت و اہلیت کو تسلیم کرتے ہیں مگر دعوت قبول کرنے سے انکاری ہیں۔ یہ نفسیات ابوجہل و ابولہب کی بھی تھیں، دور جہالیت کی سوسائٹی کی بھی تھیں اور یہی نفسیات آج بھی اسی طرح چل رہی ہیں۔ یہ رعونت فکر ہے، مفادات کے اندر لوگ قید ہیں، حرص و لالچ ہے۔ وہ ایک ہی سوچ آج بھی کارفرما ہے، شخصیت کا احترام مگر جو دعوت ہے اس کو قبول کرنے کو تیار نہیں، اس کی پیروی نہیں کرسکتے۔ زمانہ جتنا بدل جائے مگر قرآن کے بیان کردہ حقائق کبھی نہیں بدلتے۔ میں قرآن پاک کی آیات اور سیرت مصطفیٰ ﷺ سے ایک ایک چیز کا اطلاق کرکے آپ کو مصطفوی مشن کے خدوخال اور انقلاب سمجھا رہا ہوں۔

صحابہ کرامؓ آخر وقت تک اسی وفاء پر رہے اور اسی وفاء کا عہد منٰی کے میدان میں حضور ﷺ نے ہجرت مدینہ سے پہلے لے لیا تھا۔ سیرت ابن ہشام میں آتا ہے کہ بیعت عقبٰی ثانیہ کے موقع پر آقا ﷺ نے مدینہ سے آئے ہوئے قبیلہ خزرج کے لوگوں سے فرمایا:

میرے ساتھ چلنا ہے تو میری دعوت کا اس طرح دفاع کرنا ہے کہ جس طرح اپنی فیملی اور اولاد کا دفاع کرتے ہو۔

الغرض صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کا کیا کیا تذکرہ کریں۔ پوری تاریخ آپ کے سامنے ہے، مقصد بات کا یہ ہے کہ قائد کی ذات سے محبت وعقیدت کو وفاء تک لے جاؤ اور وفاء کا مطلب یہ ہے اپنے قائد کی ذات سے محبت سے آگے نکل کر اس کے پیغام اور اس کی دعوت کے ساتھ محبت کرو اور قربانی دو، اس پر محنت کرو، یہ اصل وفاداری ہے۔ اگر آپ نے اپنی محبت و وفا میری ذات تک رکھی تو وہ عقیدت رہ گئی، میں نے پیر بننے کے شوق میں یہ تحریک قائم نہیں کی تھی۔ خالی پیر بننے کے شوق میں اور آپ کی عقیدتیں لینے اور ان کا مرجع بننے کے لئے اس مشن کو قائم نہیں کیا تھا۔ میں نے اپنی پوری زندگی اس کام میں اس لئے صرف کی کہ اگر آپ میرے ساتھ منسلک ہوئے ہیں تو میری محبت سے راہ پکڑتے ہوئے میری دعوت تک پہنچو جس طرح آقا ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اپنی دعوت تک پہنچایا، اسی سنت کی طرف میں آپ کو بلا رہا ہوں۔ یہ وہی سنت ہے کہ جب غزوہ احد میں آقا علیہ السلام کی شہادت کی افواہ پھیل گئی تھی تو اس وقت سورہ آل عمران کی آیت ۱۴۴، نازل ہوئی:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ

کیا تمہاری محبتیں، تمہاری عقیدتیں، تمہارے عشق، تمہاری قربانیاں صرف حضور ﷺ کی ذات تک تھیں، اگر حضور ﷺ کا وصال ہوجائے یا حضور ﷺ شہید ہوجائیں تو ان کی راہ کو چھوڑ کے پیچھے ہٹ جاؤ گے، ان کی دعوت کا جھنڈا بلند نہیں کرو گے، قربانیاں نہیں دو گے، تگ و دو نہیں کرو گے، آگے نہیں بڑھو گے، ان کے مشن کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاؤ گے، کیا حوصلے ہار جاؤ گے کہ بس ان کے لئے تھے، ان کے لئے قربانیاں دیتے تھے، اب وہ نہیں رہے تو ہم نے کیا کرنا ہے، ایسا نہیں، قرآن نے اس تصور کو توڑ دیا ہے۔

فرمایا: ہر ایک نے بالآخر دنیا سے چلے جانا ہے رسول آئے، دنیا سے رخصت ہوئے، اسی طرح اگر حضور ﷺ کی شہادت اور وفات بھی ہوجائے تو جو

دعوت اور مشن تمہیں دے کر گئے اسے لے کے چلتے رہو اور شمع روشن کرتے رہو اور اسے منزل مقصود تک پہنچاؤ۔ یہ طریقہ ہے ذات سے تعلیمات تک۔۔۔ ذات کی محبت سے دعوت تک پہنچنا۔۔۔ اور دعوت وفا کرکے منزل مقصود تک جانا۔۔۔ اس چیز کو لے کر آگے بڑھیں، اسی صورت آپ حقیقی معنی میں کارکن بنیں گے۔

پاکستان کا موروثی جمہوری نظام

موجودہ ملکی حالات اور یہاں موجود نظام سے کبھی توقع نہ کریں کہ اس سے کوئی آپ کو انقلاب کا راستہ ملے گا۔ انتخاب سے کبھی انقلاب نہیں آئے گا۔ یہ تو نظام وراثت ہے۔ جاگیرداروں، سرمایہ داروں، وڈیروں، غنڈہ گردوں، دہشت گردوں اور ساز باز کرنے والوں کا ایک نظام اور جال ہے۔ اس جال میں چھوٹی بڑی مچھلیاں پکڑنے کے طریقے ہیں۔ سارے شکاری ہیں اور شکار کرتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس پاکستان میں اس موجودہ نظام انتخاب سے کبھی انقلاب نہیں آئے گا۔ اس چکر میں اپنے آپ کو پریشان مت کریں۔

یہاں تو ہمیشہ سے وہی پرانے لوگ چلے آرہے ہیں حتی کہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں جو سوسائٹی میں اثر و رسوخ کے مالک تھے اور بڑے تھے وہی آج بھی بڑے ہیں۔ جن کو رنجیت سنگھ نے جاگیریں دے کر بڑا بنایا، وہ اور ان کی اولادیں ہی ہمیشہ منتخب ہوتے آئے ہیں اور انہی کے سر پر پگڑی رہی ہے۔

انگریزوں نے جنہیں خان بہادر نواب بنایا تھا انہی کے بیٹے، بیٹیاں، پوتے، پوتیاں 2008ء کے الیکشنز تک کامیاب ہوتے چلے آئے ہیں۔ یہ ایک تسلسل ہے۔ ان علاقوں میں آپ جو مرضی کرلیں، الٹے لٹک جائیں وہاں ''جمہوریت'' کسی اور کے پاس جا ہی نہیں سکتی۔

شاہ نواز بھٹو انڈیا کے زمانہ میں حکومت بمبئی کے وزیر تھے، ان کو سر کا لقب ملا تھا۔ 1934ء میں انہوں نے سندھ پیپلز پارٹی بنائی تھی، پھر ان کے بیٹے ذوالفقار علی بھٹو تھے، 1958ء میں وزیر تجارت بنے۔ 1963ء میں ایوب خان کے ساتھ وزیر خارجہ بنے، پھر پیپلز پارٹی بنی اور اگلی صورتحال آپ کے سامنے ہے۔

اسی طرح بہاولپور کے حلقے میں 1906ء میں مشتاق گورمانی وزیراعلیٰ تھے۔ پھر آگے ان کی اولاد بیٹے، پوتے، پڑپوتے آج تک ان حلقوں میں کامیاب چلے آرہے ہیں اور ان کے حمایت یافتہ لوگوں کے اثرات ہیں۔

اسی طرح ملتان اور اس کے گردو نواح میں قریشی، گیلانی اور مخادیم خانوادے ہیں۔۔۔ ڈیرہ غازی خان میں مزاری، لغاری اور کھوسہ خاندان کی ایک تاریخ ہے جو 1930ء سے مسندِ اقتدار پر ہیں۔ ہر دور کے الیکشنز میں وہی اور اسی گروپ کے لوگ کامیاب ہوتے ہیں جن کے سر پہ ان کا ہاتھ ہوتا ہے۔ بڑے نواب اور لارڈ کے نیچے چھوٹے بڑے زمیندار امیدوار ہوتے ہیں، عرصہ دراز سے یہی طریقہ چلتا آرہا ہے۔

پھر ایک نیا دور آگیا جس میں شہر Involve ہوگئے۔ پرانے زمانے میں جاگیردار اور فیوڈل لارڈ تھے، اب سرمایہ دار آگئے، بڑے بڑے بزنس مین آگئے۔ اب آپ لاہور، فیصل آباد، سرگودھا، گوجرانوالہ، سیالکوٹ، راولپنڈی کی طرف چلے جائیں الغرض کہیں چلے جائیں 25,20 حلقوں کے بعد کہیں ایک آدھی ایسی سیٹ ملے گی جہاں ایک وقت گزرنے کے بعد کسی ایک ایسے نے اپنے آپ کو مستحکم کرلیا ہو جو پرانے جاگیرداروں میں سے نہیں تھا۔

اسی طرح اگر خیبر پختونخواہ، سندھ، بلوچستان چلے جائیں تو وہاں کی ایک اپنی تاریخ ہے۔ جس حلقے میں آپ نگاہ دوڑائیں دو یا تین خاندانوں کے پاس سیاسی قیادت رہی ہے۔ انہی خاندانوں سے امیدوار آتے ہیں خواہ وہ اِدھر کا ٹکٹ لے لیں یا اُدھر سے ٹکٹ لے لیں یا آزاد ہوجائیں انہوں

نے ہی کامیاب ہونا ہے۔ کیا یہ جمہوریت ہے۔؟

شہروں کے اندر سرمایہ دار اور مالدار ہیں۔ اب ان میں غنڈہ گردی کا عنصر بھی شامل ہوگیا ہے۔ بدمعاشی اور سرمایہ کا اضافہ ہوگیا، پھرساتھ ایجنسیاں اور Establishment شامل ہوگئی، اس کے ساتھ بیرونی طاقتوں کی establishment بھی شامل ہوگئی۔

الغرض ان تمام عوامل کے ساتھ یہاں انتخاب ہوتے ہیں، یہی پاکستان کا الیکشن ہے۔ کون بے وقوف اس پورے نظام کو جمہوریت کا نظام کہے گا جبکہ چوبیس گھنٹے TV پر اسی کو جمہوریت کہا جارہا ہے، اسی کو نظام کہا جارہا ہے۔ اس لئے کہ یہ سارے اس نظام سے کھاتے پیتے ہیں، یہ اس پورے نظام کے ستون ہیں، انہی کے ساتھ اس نظام کی چھت قائم ہے۔ چھت، ستونوں کے ساتھ اور ستونوں کی رونق چھت کے ساتھ ہے۔ یہ پوری گیم کا جزو ہیں اور 17 کروڑ عوام کو بیوقوف بنا رکھا ہے اور شعور سے محروم کر رکھا ہے۔

مغربی جمہوری نظام کی کامیابی کا راز

مغربی طریق پر ہمارے ملک میں جو الیکشنز ہوتے ہیں یہ جمہوریت اور انتخابات ان ہی ملکوں کے لئے مناسب ہے جن کے پیچھے دو سو سال کی Education کا تسلسل ہے۔ تعلیم ہے، شعور کی بیداری ہے۔ معاشرتی بیداری ہے۔ گویا یہ دو سو سال کا ایک سفر ہے۔ ان تمام مغربی ممالک کے تمام شہری حتی کہ school going بچے بھی جماعتوں کے characters، ان کی پالیسیوں، ان کے منشوروں اور ان کی تمام ترجیحات سے واقف ہیں کہ کس پارٹی کی کیا پالیسی ہے؟ یہ پارٹی گورنمنٹ میں آئی تو اس کی مختلف حکومتی معاملات پر پالیسیاں کیا ہوں گی؟

ایک ایک ووٹر امریکہ، کینیڈا، یورپ، انگلینڈ، ویسٹرن ورلڈ میں جو ووٹ دیتا ہے اسے معلوم ہوتا ہے کہ میں ووٹ جس پارٹی کو دے رہا ہوں اگر یہ پارٹی اقتدار پر آئی تو ان کی health پالیسی کیا ہوگی؟ امیگریشن پالیسی میں کیا تبدیلی آئے گی؟ Jobs اور بزنس میں کیا فرق آئے گا؟ inland security Terrorism پر کیا پالیسی ہوگی؟ Social awareness، Income Sport، سوشل اکنامک فوائد کیا ہوں گے؟ ٹیکسز اور Revenew کیا ہوگا؟ ایک ایک ووٹر کو یہ سب کچھ پتہ ہوتا ہے کہ میرے اس ووٹ سے ملک کے ان معاملات میں یہ تبدیلیاں آئیں گی۔ اس کو مغربی جمہوریت کہتے ہیں کہ ہر ووٹر کو شعور ہے۔ بعد ازاں وہ

پارٹیاں سو فیصد کامیاب ہوں یا نہ ہوں مگر ان کی Struggle انہی خطوط پر چلتی رہتی ہے اور وہ کچھ نہ کچھ حاصل کرتی رہتی ہیں۔

ایک شخص گھر کے اندر موجود دوسرے شخص پر اثر انداز نہیں ہوسکتا۔ شوہر کو پتہ نہیں کہ اس کی بیوی کس کو ووٹ دے کر آئی ہے، بیوی کو معلوم نہیں کہ اس کے شوہر نے کس کو ووٹ دیا ہے، بچوں کو معلوم نہیں کہ ان کے والدین نے کہاں ووٹ دیا ہے؟ یہ جمہوریت اور آزادی رائے ہے کہ ہر ایک کی رائے خفیہ اور آزاد ہے، کوئی دوسرا اثر انداز نہیں ہوتا اور نہ کوئی دباؤ ہوتا ہے۔ اس طرح جمہوریت، جمہوری ادارے، جمہوری حکومتیں وجود میں آتی ہیں اور جمہوری نظام وجود میں آتا ہے۔

یہ سب کچھ ہمارے ہاں نہیں صرف نام کی جمہوریت ہے۔ یہاں رائج نظام انتخابات اور جمہوریت سب کچھ فراڈ ہے، پوری قوم کو دھوکہ دینا ہے، پوری قوم کو جہالت کے اندھیرے میں دھکیلنا ہے اور بڑے بڑے لوگوں کے مفادات کو تحفظ دینے کے لئے ساز باز کرنا ہے۔

(جاری ہے)

الحدیث :

بیت اللہ شریف کا نورانی فیضان

علامہ محمد معراج الاسلام

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں، حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یَنْزِلُ عَلٰی هٰذَا الْبَیْتِ فِی کُلِّ یَوْمٍ مِائَةٌ وَعِشْرُوْنَ رَحْمَةً سِتُّوْنَ لِلطَّائِفِیْنَ وَاَرْبَعُوْنَ لِلْمُصَلِّیْنَ وَ عِشْرُوْنَ للناظِرِیْنَ. (شعب الایمان، بیهقی)

''ہر روز بیت اللہ شریف پر ایک سو بیس رحمتیں نازل ہوتی ہیں، ساٹھ طواف کرنے والوں اور چالیس نماز پڑھنے والوں اور بیس زیارت کرنے والوں کے لئے''۔

بیت اللہ شریف کیا ہے؟

مکہ شریف کی مسجد حرام کے وسط میں، کسی نگار دلنشیں کی طرح، بصد انداز محبوبی و زیبائی، سیاہ غلاف میں ملبوس ایک مسقّف اور چوکور کوٹھا کھڑا ہے جیسے حریم قدس سے کوئی دلربا پیکر تراش کر یہاں بٹھادیا گیا ہو اور وہ چاروں طرف دور و نزدیک اپنے نور کے جلوے بکھیر رہا ہو۔ اس کے ملکوتی روپ کی کشش کا یہ عالم ہے کہ ہجوم یاراں، کوچہ جاناں کا طواف کرنے والوں کی طرح، ہمہ وقت اس کے گرد پروانوں کی طرح محو خرام رہتا ہے۔ کیفیت یہ ہوتی ہے کہ کوئی حیرت و محبت سے اسے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا ہے جیسے چاہت کے سمندر انڈیل کر، انوار سمیٹنا چاہتا ہو۔۔۔ کوئی گریہ و فغاں میں مصروف ہے۔۔۔ کسی کی زباں پہ تسبیح و تقدیس کے ترانے جاری ہیں۔۔۔ کوئی ادھر منہ کئے حالت رکوع میں ہے اور **سبحان ربی العظیم** کا ورد کررہا ہے۔۔۔ کوئی زمین پہ سجدہ ریز ہے اور اپنے رب کے علو و کمال کا اعتراف کررہا ہے اور قدرت و عظمت کے گیت گا رہا ہے۔

عاشقوں کے جھرمٹ میں شمع کی طرح گھرا ہوا یہ دلربا اور مرکزِ نگاہ کوٹھا ہی کعبہ شریف ہے، جسے بیت اللہ کہتے ہیں، پوری زمین پر یہ واحد جگہ ہے جسے اللہ پاک نے ''بَیْتِـــــیَ'' یعنی ''میرا گھر'' کہا ہے، اس کی عظمت، قدر و منزلت اور مقام و مرتبے کو پہچاننے کے لئے یہ جلیل و مقدس نسبت ہی کافی ہے۔

اللہ تعالیٰ، مکان میں سمانے سے پاک ہے، کعبہ کو یہ نسبت اظہار عظمت کے لئے عطا کی گئی ہے اور یہ نام اس کے شکوہ و جلال اور خصوصی کمال کے بیان کے لئے ہے ورنہ حقیقت میں یہ ساری قدر ومنزلت اور عزت و عظمت اس جگہ اور فضا کی ہے جہاں یہ کعبہ بنایا گیا ہے۔ یہ جگہ مہبط انوار اور مرکز تجلیات ہے، یہاں ہر وقت انوار کی بارش ہوتی رہتی ہے، اگر یہاں در و دیوار نہ ہوتے تو بھی یہ جگہ کعبہ ہی ہوتی۔ جناب خلیل اللہ علیہ السلام سے پہلے جب یہاں کعبہ کے آثار و نشانات اور در و دیوار نہیں تھے، اس وقت بھی انبیاء کرام اس کا حج کرنے کے لئے آتے تھے اور ان وادیوں اور صحراؤں میں کعبہ کی خوشبو سونگھ لیتے تھے اور

نورانی بصیرت سے اس کی سہانی فضاؤں، فردوسی بہاروں اور مقدس نظاروں کو دیکھ لیتے تھے۔ اس لئے راز کی بات یہ ہے کہ یہ جگہ منزلِ حُسن اور مرکزِ نور ہے اور در و دیوار، پتھر کی سلیں، کالا غلاف اور ایستادہ عمارت ایک پردہ ہے۔ اصل کعبہ وہ حسن و نور ہے جو اس میں جلوہ گر ہے اور اہل نظر اس کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں، جیسا کہ مشہور ہے، جناب ابراہیم بن ادھم جب قدم قدم پر سجدہ کرتے، سالہا سال کی ریاضت کے بعد یہاں پہنچے تو صرف عمارت کعبہ کو دیکھ کر بے قرار و پریشان ہوگئے، وہ کشتہ عشق تھے، رو پڑے اور بولے: میرے مولیٰ! میں اس محبت وریاضت کے ساتھ چلتا ہوا در و دیوار دیکھنے کے لئے تو نہیں آیا۔ چنانچہ انہیں حقیقت کعبہ اور اصل نور کا مشاہدہ کرادیا گیا۔

بیت اللہ شریف کا نورانی فیضان

کعبہ شریف جہاں بنایا گیا ہے وہ پوری زمین کا وسط ہے، اس طرح وہ ایک مرکز کی صورت اختیار کرگیا ہے جس کا تعلق پوری زمین کے ساتھ ہے اور اس کا رابطہ ہر جگہ کے ساتھ یکساں نوعیت کا ہے، جیسے نقطے کا اپنے دائرے کے ہر جز کے ساتھ یکساں تعلق ہوتا ہے۔ اس طرح کعبہ پوری زمین کے لئے فیض رساں ہے اور اپنے انوار ہر جگہ بکھیرتا اور پہنچاتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھیں تاکہ ان کی توجہ اس کی طرف ہو اور وہ دل و جاں سے ادھر متوجہ ہوکر اس سے فیض حاصل کرسکیں۔ چونکہ وہ مرکز نور و سعادت اور مصدر رحمت و برکت ہے، اس لئے اس کے ماننے والوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ دنیا کے جس حصے میں بھی ہوں، اس کا احترام کریں، اس کی طرف پشت یا منہ کرکے بول و براز نہ کریں، ادھر پاؤں نہ پھیلائیں، ادھر منہ کرکے نہ تھوکیں اور ہر طرح اس کا احترام ملحوظ رکھیں تاکہ اس کے نور کا باڑا انہیں بھی نصیب ہو اور وہ اس کے ہمیشہ جاری رہنے والے فیض و برکت سے بہرہ یاب ہوں۔

فیضان و نور کی یہ نعمت ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، جنہیں اس کی طلب اور خواہش ہو، طلب صادق اور خواہش کے اظہار کا طریقہ یہ ہے کہ انسان کعبہ کی طرف منہ کرکے بیٹھے، اہل سعادت فرماتے ہیں کعبہ کی طرف متوجہ ہونے اور ادھر منہ کرکے بیٹھنے سے بگڑے کام سنور جاتے ہیں اور انسان کے کاموں میں برکت پیدا ہوجاتی ہے۔

امت کا دلنشین محبوب

صرف کعبہ ہی ایک ایسا محبوب ہے، جس کی محبوبیت اور دلربائی کا یہ عالم ہے کہ زمین کے ہر خطے پر رہنے والا صالح مسلمان اس کا نادیدہ عاشق ہے، اس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتا ہے اور نبی کریم ﷺ کے حکم کی وجہ سے اس کی زیارت کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ جو شخص جتنا زیادہ اطاعت گزار، صاحب بصیرت، تقویٰ شعار اور دین کا پیروکار ہو، وہ اتنا ہی زیادہ اس کا شائق وشیدا ہوتا ہے اور دل و جان سے اس کا احترام کرتا ہے اور اس کے انوار سمیٹنا چاہتا ہے۔

چنانچہ جنہیں اس کی پہچان ہوگئی تھی وہ اس کی دید کے لئے تڑپتے رہتے تھے اور چاہتے تھے اسے ایک نظر دیکھ لیں اور دل کو تسکین دیں۔ آج بھی جنہیں نگاہِ خاص اور نورانی بصیرت حاصل ہے، وہ اس کی زیارت کے لئے بے قرار رہتے ہیں اور جب قرب نصیب ہوجائے تو اسے زیادہ سے زیادہ طول دینا چاہتے ہیں تاکہ فیض کا تسلسل قائم رہے، چنانچہ کوئی حطیم میں اور کوئی کعبے کے سائے میں بیٹھنا پسند کرتا ہے، کوئی دیوار کے ساتھ چمٹ کر روتا رہتا ہے اور کوئی اپنی ہی دنیا میں گم اسے محبت اور پیار سے دیکھتا رہتا ہے۔

دلوں میں کعبہ کی فطری محبت

دور اول سے لے کر آج تک عشق کرنے کا یہ سلسلہ جاری ہے، اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

۱۔ ابتدائی دور میں اہل مکہ نے مسلمانوں کے

لئے جینا دوبھر کردیا تھا چنانچہ وہ ان کے مظالم سے تنگ آکر مدینہ شریف چلے گئے اور مستقل طور پر وہاں سکونت اختیار کرلی مگر وہ سرزمین کعبہ کونہ بھول سکے۔ جب بھی انہیں مکہ اور کعبہ کی یاد آتی تو وہ اہل مکہ کو دوش دیتے اور دل ہی دل میں کوستے، جنہوں نے ان کو جلاوطن کرکے کعبہ کے قرب و دیدار سے محروم کردیا تھا۔

حضرت بلالؓ نے کعبہ کی جدائی کو کچھ زیادہ ہی محسوس کیا، وہ مدینہ شریف آکر بیمار ہوگئے۔ جب بھی ہوش آتا تو یہ شعر پڑھنے لگ جاتے:

الا لیت شعری ھل ابیتن لیلۃ
بواد وحولی اِذْخَرٌ وَجَلِیْلٌ
وھل اَرِدن یَوْمًا مِیَاہَ مَجِنَّۃ
وھل یبدون شامۃ وطفیل

”اے کاش! مجھے پتہ چل جاتا کہ میں کبھی اس مقدس وادی میں بھی اب رات گزارسکوں گا یانہیں، جس میں میرے اردگرد گھاس ہوتی تھی۔ اور کیا میں کسی روز ”مجنۃ“ کے چشمے پر بھی جاسکوں گا جو مکہ میں ہے؟ اور کیا میں اب ”شامہ اور طفیل“ کو بھی دیکھ سکوں گا، جو کہ کے پہاڑ ہیں“۔

پھر مکہ کے سرداروں کو بد دعائیں دیتے۔

اللھم العن شیبہ بن ربیعہ وعتبہ بن ربیعہ وامیۃ بن خلف کما اخرجونا من ارضنا.

”اے اللہ! شیبہ اور عتبہ اور امیہ پر لعنت فرما کیونکہ انہوں نے ہمیں، ہماری پیاری سرزمین سے نکالا ہے“۔ (بخاری شریف، ۱:۲۵۳)

۲۔ خود حضور ﷺ نے بھی جب ہجرت فرمائی تو ایسے ہی جذبات کا اظہار فرمایا تھا اور سرزمین مکہ کو خطاب کرکے کہا تھا:

”تو میرے لئے محبوب ترین زمین ہے، اگر قوم درپے آزار نہ ہوتی تو ہم تجھے کبھی بھی چھوڑنا گوارا نہ کرتے“۔

۳۔ محبت کی یہ دولت بعد والوں کو بھی وراثت میں ملی، چنانچہ مسلمانوں کے خورد و کلاں، بوڑھے جوان، بچیاں، خواتین، گدا و امیر، رعایا و بادشاہ، گناہگار اور اولیاء سب اس کے شائق و شیدا ہیں اور اسی کی دید و حاضری کو زندگی کی سب سے بڑی متاع تصور کرتے ہیں اور جو لمحات اس کی دید و زیارت اور دیدار و قرب میں گزریں انہیں حاصل زیست سمجھتے ہیں، جیسے یہی لمحات زندگی ہیں، باقی زندگی جو گزری وہ کسی شمار و قطار میں نہیں۔

اولیاء کرام کی معرفت و بصیرت چونکہ غیر معمولی نوعیت کی اور عام لوگوں سے منفرد و فائق ہوتی ہے اور اس سے بے پناہ محبت کرتے ہیں اور اس کی حاضری و زیارت سے کبھی بھی غافل نہیں رہتے بلکہ روحانی قوت صرف کرکے اس تیزی اور کثرت سے وہاں آتے ہیں کہ عوام اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ یہ سب کچھ کعبہ کے ساتھ زبردست وابستگی اور اس کے ساتھ قلبی لگاؤ کا نتیجہ ہے۔

ابدال و اوتاد، اولیاء کرام کا ایک مخصوص گروہ ہے، ان کے بارے میں ہے:

لاتغرب الشمس من یوم الا ویطوف بھذا البیت رجل من الابدال، ولا یطلع الفجر من لیلۃ الا طاف بہ واحد من الاوتاد. (احیاء العلوم، ۱: ۲۴۲)

”کسی دن کا سورج غروب نہیں ہوتا، جب تک ”ابدال“ میں سے کوئی فرد اس کا طواف نہ کرلے اور کسی رات کی فجر طلوع نہیں ہوتی جب تک ”اوتاد“ میں سے کوئی فرد اس کا طواف نہ کرے“۔

ولا شک فی تردد الاولیاء الیھا فی الاوقات الفاضلۃ فمن لمح احدھم اولمحہ ھو نال السعادۃ العظمی.

”اس میں کوئی شک نہیں کہ اولیاء کرام مقدس مواقع پر یہاں آتے جاتے ہیں، چنانچہ جو انہیں دیکھ لے یا وہ کسی کو دیکھ لیں، وہ سعادت عظمی پالیتا ہے“۔

اسی لئے دانا لوگوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ

دسویں تاریخ کو رمی کرکے فوراً مکہ مکرمہ آکر کعبہ کے قریب حطیم میں بیٹھ جاتے تھے اور طواف کرنے والوں کو دیکھتے رہتے تھے تاکہ کسی ولی پر ان کی نظر پڑ جائے یا وہ ان کو دیکھ لے، اس طرح سعادت عظمیٰ نصیب ہوجائے۔

وجہ یہ کہ دسویں تاریخ کی رمی و قربانی کے بعد، طواف زیارت فرض ہے جس کے لئے لازمی طور پر مکہ مکرمہ آنا پڑتا ہے۔

و ورد انهم يحضرون الجمعة والاوقات الشريفة و يحجون كل عام. (قطبی:۲۸)

''یہ بھی وارد ہوا ہے کہ اولیاء کرام جمعہ کے روز اور خصوصی اوقات میں ضرور حاضر ہوتے ہیں اور حج تو ہر سال کرتے ہیں''۔

حضرت عبداللہ بن صالح، کبار اولیاء کرام میں سے گزرے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جو بھی عالی پایہ ولی ہے وہ جمعہ کی رات کو یہاں ضرور حاضری دیتا ہے، ایک دفعہ میں نے مالک بن قاسم کی زیارت کی، ان کے ہاتھ سالن میں لتھڑے ہوئے تھے، میں نے کہا:

کھانا کھاتے ہوئے آرہے ہیں؟ وہ بولے:

''میں نے آٹھ دن سے کچھ نہیں کھایا البتہ والدہ کو کھلا رہا تھا کہ کعبہ شریف میں حاضری کا وقت ہوگیا، اس لئے فوراً یہاں پہنچ گیا ہوں۔

میں نے پوچھا: آپ کتنی دور سے آرہے ہیں؟

انہوں نے بتایا: ستائیس سو میل دور سے۔

۴۔ کعبہ کے لئے یہ پیار اور جذبہ شوق صرف انسانوں ہی کے حصے میں نہیں آیا، بلکہ دوسری مخلوق، جنات، حیوان اور پرندے بھی، اس کے ساتھ اسی طرح والہانہ محبت کرتے ہیں۔

پرندوں کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر عمارت پر بیٹھ جاتے ہیں۔ مگر کوئی پرندہ اور کبوتر کعبہ کی دیوار اور منڈیر پر نہیں بیٹھتا، مگر اڑتا ہوا آئے تو تیزی سے کعبہ کے گرد اس طرح ایک دو چکر لگاتا ہے، جیسے طواف کررہا ہو۔ ابابیلیں سرعت رفتار کے ساتھ آتی ہیں اور طواف کے ایک دو یا زیادہ چکر پورے کرکے پھر فضا میں پرواز کرجاتی ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ کعبہ تمام مخلوق کا محبوب ہے اور قدرت نے سب کے دل میں اس کی چاہت اور عقیدت پیدا کردی ہے۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ وہ ایک یکتا و فرزانہ عالمگیر محبوب ہے، ایک ایسا محبوب جسے ہر کوئی پیار سے دیکھتا اور اس کے گرد گھومتا ہے اور جوش جنوں میں اس کے ساتھ چمٹتا، بلکتا اور جدائی کے خوف و خیال سے گریہ زاری کرتا ہے جیسے بچہ ماں کی گود میں پناہ لینے کے لئے بلکتا ہے اور جب ماں سینے سے چمٹائے تو اسے سکون آجاتا ہے۔

نور کا سمندر

سمندر بے کنار ہوتا ہے، اس کی گہرائی کا بھی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا جو چیز اس کے اندر چلی جائے وہ گم ہوجاتی ہے۔ سمندر بڑا حوصلہ مند اور وسیع الظرف بھی ہوتا ہے، اس کے اندر تیرنے والی مخلوق اچھی بھی ہوتی ہے اور بدہئیت بھی اور اسی کے اندر غلاظت بھی بکھیرتی ہے، مگر وہ کسی بات کا برا نہیں مناتا، کوئی حرکت اسے گندا نہیں کرتی، وہ پاک ہی رہتا ہے اور اپنے پانی میں تیرنے اور اترنے والوں کو بھی پاک کردیتا ہے۔

کعبہ شریف رحمت کا سمندر ہے، نور کے اس سمندر کا کوئی کنارہ نہیں، جب گنہگار اپنے بدہئیت باطن کے ساتھ گناہوں کی غلاظت لئے اس میں داخل ہوتے ہیں تو وہ سب غلاظت دھو دیتا ہے اور انسان اس طرح پاک ہوجاتا ہے جیسے ابھی پیدا ہوا ہے۔ کعبہ پر نازل ہونے والی رحمتیں اور اس کے درو بام پر ٹھاٹھیں مارنے والا نور، انسانوں کے گناہوں کو نیست و نابود کردیتے ہیں اور آنے والے ناپاک گنہگار کو نہ صرف پاک کردیتے ہیں بلکہ مقرب ومقبول بھی بنادیتے ہیں۔

سفر حج

آداب و تقاضے

صاحبزادہ مسکین فیض الرحمان درانی

مرکزی امیر تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل

بلاشبہ ''اللہ'' اور ''مخلوق'' کا باہمی تعلق '' محبت'' سے ہے' محبت سے عبادت کا شعور پیدا ہوتا ہے اسی لیے ساری مخلوقات؛ نوری' ناری' خاکی' حیوانی' جماداتی' نباتاتی' آبی اور ہوائی' ہر ایک کو شرف عبادت سے نوازا گیا' جو خالق کے ساتھ اظہار محبت ہے۔ معبود کا رشتہ عبد کے ساتھ اور عبد کا رشتہ معبود کے ساتھ محبت اور عبادت سے قائم ہے۔ اسی لیے کائنات کی ہر شئے ہر وقت مصروف عبادت ہے' محبت میں گم مصروف گیان ہے' امن میں اور خوش ہے۔ گیان اور دھیان کے لیے امن شرط ہے جو ایمان سے نصیب ہوتا ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے، جس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سب مخلوقات سے بڑھ کر اپنے خالق سے محبت کرے' ٹوٹ کر اس کی عبادت کرے کیونکہ دیگر مخلوقات کے مقابلے میں اسے محبت اور عبادت کا زیادہ علم دیا گیا اس کو صاحب ارادہ بنایا گیا ہے۔ جہاں ایمان اور علم زیادہ ہوگا وہاں خالق کی معرفت اتنی ہی زیادہ ہوگی' مالک کا خوف ہوگا' یہ خوف انتہائے محبت سے ہوتا ہے کہ کہیں محبوب ناراض نہ ہو جائے۔ تخلیق انسانی میں انس کا مادہ وافر ہے' مومن کو تمام انسانوں میں زیادہ فضیلت سے نوازا گیا' اسے ایمان کی سند عطا کی گئی' اس کے سر کو خالق نے صرف اپنے سامنے خم ہونے کا اعزاز بخشا اور اسے سر تسلیم خم کرنے کی ادا دلنواز بخشی' اسے اپنی مرضی کے مطابق عمل کی توفیق سے نوازا اور مسلمان کا لقب عطا فرمایا تا کہ اس کے ہاتھوں سب مخلوقات کو سلامتی اور امن نصیب ہو، مخلوقات عالم کی تمام عبادات کو ملا کر اسے ارکان اسلام کی ایسی حسین دلنشین اور دلربا عبادات سے نوازا' کہ جب عبد' عبادت کرے تو اس کے اعضاء و جوارح اور قلب و ذہن ایک لاہوتی وجدانی کیفیت سے سر شار ہو کر حسن و احسان کی دنیا میں صرف معبود حقیقی کو اپنے سامنے پائے اور معبود؛ ایسا محسن بن جائے کہ اپنے احسان سے محبّ کو حسین سے حسین تر بناتا چلا جائے۔

اللہ عزّ وجلّ کی حسین ترین عبادات میں سے ایک حسین عبادت ''حج'' ہے' ارکان اسلام کا پانچواں رکن' مجموعہ عبادات' حج ایک ایسی عالمگیر اور ہمہ گیر عبادت ہے کہ جس میں توحید کے وجد آفرین نعرے' شہادت کے ترانے' نماز کی طہارت' روزہ کا تقویٰ' زکوٰۃ کا تزکیۂ باطن کا تصفیۂ جہاد کی مشقت' ریاضت' جدو جہد اور سرشاری' صدقہ خیرات کی آسودگی' اور تلاش نقوش پائے جاناں کی بے تابیاں شامل ہوتی ہیں۔

سفر حج؛ ہزاروں اسفار کا مجموعہ' تہذیب' سلیقہ، شائستگی' احترام انسانیت' سفر دعوت و تربیت' حکمت، تعلیم و تعلم' درس و تدریس' سفر روح' قلب ماہیت' جذب و شوق' سفر نجات ،توبہ و استغفار' اصلاح جسم و نفس' تدارک امرض خبیثہ' سفر خوش بختی' اخلاص' مروت و ایثار' سفر وادیِ حسنِ جمال و جلال' سفر معیشت و

اقتصادیات‘ سیاست‘ وحدت ملی‘ اجتماع مسلمین عالم‘ نصرت رسول‘ اتباع و اطاعت نبی‘ سفر دعائے رسول‘ حاضری در محبوب‘ قبولیت توبہ و مغفرت‘ سفر ملاقات دوست‘ رازو نیاز بین عبدو معبود‘سفر خدا پرستی‘ تدارک تفرقہ و فرقہ پرستی‘ تقویت عقیدہ‘ تدارک خوف و غم جہالت‘ سفر خدمت خلق‘ محبت اخوت‘ ترانہ شوق‘ نعرہ مستانہ‘ سفر اقبال و سعادتمندی‘ رسوائی ابلیس‘ اجتماع لاہوتی‘ سفرسکون وقرار و نشاط مرکز کوثر رحمت۔ سفرحج بلاشبہ سفر جسم وقلب و روح ہے ہزاروں اسفار حیات و رحمت کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایک سفر استحسان میں سمو دیا ہے۔

خوش بخت‘ خوش نصیب اور خوش قسمت ہیں وہ مسلمان؛ وہ غلامان نبی محتشم ﷺ کہ جنہیں ربِّ محمد عزّ وجلّ کی جانب سے اپنے در پہ حاضر ہونے کا بلاوا آتا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

قاعدہ یہ ہے کہ اعلیٰ مقامات کے حصول کے لیے اسی حساب سے زیادہ محنت‘ سعی اور جدو جہد کرنی لازم ہوتی ہے‘ بڑے مقاصد کے حصول کے لیے اسی قدر زیادہ تعلیم‘ علم‘ سمجھ‘ اخلاص اور عمل کی ضرورت ہوتی ہے‘ باشعور لوگ اپنا کام سمجھ بوجھ سے کرتے ہیں‘اہداف (targets) کا تعین کرتے ہیں اہداف کے حصول کے لئے‘ باقاعدہ پروگرام بناتے ہیں‘ منصوبہ سازی (planning) کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرمان اور ارشادات نبوی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں‘ ذرائع و وسائل اور اسباب کا موثر اور مفید استعمال (effective and efficient utilisation of resources) اپنی بہترین صلاحیتوں سے کرتے ہیں‘ بہترین کارکردگی (best performance) کا مظاہرہ کرتے ہیں‘ اس عملی امتحان میں زیادہ سے زیادہ نمبر حاصل کرنے کی جدو جہد کرتے ہیں تا کہ ’’مالک‘‘ اپنے غلام کے کام (work) سے خوش ہو اور اسے انعام (award) سے نوازے۔

بفضل رب جلیل اور بہ تصدق و توسل نبی آخرالزماں ﷺ مسلمانوں کے پاس اس حکمت و اسرار (management) کی بہترین کتاب’’ قرآن حکیم‘‘ اسوہ رسول اقدس ﷺ اور سنت اصحاب نبی موجود ہے۔جس کے مطالعہ، سمجھ اور ان میں درج احکامات پر عمل کرنے سے ہدف یعنی’’ رضائے الٰہی کا حصول‘‘ آسان ہو جاتا ہے۔ ہدف کے حصول کے لیے حج بھی ایک بہترین عمل اور عبادت ہے۔

آیئے! اس حسین وجمیل عبادت؛’’فریضہ حج‘‘ کی ادائیگی کا تاریخ وار پروگرام اور حکمت عملی بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے طلب توفیق کریں اور اس کی بارگاہ میں سرخروئی کی التجا کریں۔

معزز عازمین حج! ایک بات ہمیشہ ذہن نشین رہے، کہ ہر اعلیٰ کام کی جتنی جزا‘صلہ‘ثواب اور انعام ہوتا ہے اس کو انجام دینے کے لیے اسی قدر شوق‘ لگن‘علم‘محنت اور توجہ (concentration) کی ضرورت ہوتی ہے‘ اس کے مختلف کاموں (programs) کی قدم قدم اور لمحہ لمحہ نگرانی (monitoring) ضروری ہوتی ہے۔’’ اللہ‘‘ کا کام ویسے بھی طلب ’’احسان‘‘ کا متقاضی ہوتا ہے۔ ہر وقت احتیاط اور یہ فکر کہ ’’محبوب کہیں ناراض نہ ہو جائے‘‘ طلب احسان کا سب سے ضروری تقاضا ہوتا ہے۔

سفر پر روانہ ہونے سے قبل تمام متعلقہ اعزہ و اقارب‘ ہمسایوں ،دوستوں اور کاروباری ساتھیوں سے لین دین کے معاملات طے کرلیں۔ اُن افراد سے کہ جن سے آپ کی طرف سے کسی قسم کی زیادتی ہوئی ہو،اپنی زیادتیوں کی معافی طلب کریں، کیونکہ حج سے قبل یہ تزکیہ باطن کا پہلا ضروری درس ہے۔

اخلاقیات‘ عبادات اور روحانیات پر اچھی کتابوں اور مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی مختصر تاریخ اور مقامات زیارات کے بارے میں مطالعہ کریں۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی درج ذیل تصانیف کا مطالعہ سفر حج سے پہلے مفید اور سود مند رہے گا: ۱۔فلسفہ و احکام حج ۔۲۔ تذکرے اور صحبتیں ۔۳۔حسن اعمال ۴۔حسن اخلاق۔ ۵۔حسن احوال۔۶۔ صفائے قلب و باطن ۷۔فساد قلب اور اس کا علاج ۔۸۔ہر شخص اپنے نشہ عمل میں گرفتار ہے۔۹۔ طبقات العباد۔۱۰۔ جرم توبہ اور اصلاح احوال۔۱۱۔تاریخ مولد النبی۔۱۲۔ حسن سراپائے رسول ۱۳۔نورالابصار۔۱۴۔ اسیران جمال مصطفیٰ ﷺ

☆ گھر سے روانگی یا ائیر پورٹ پر احرام باندھ لیں اور عمرہ کی نیت کرلیں۔ یہ احتیاط اس واسطے ضروری ہے کہ مقام میقات 'یلملم' جدّہ سے تقریباً ستر کلو میٹر پہلے آتا ہے' یہ وہ مقام ہے جہاں حاجی پر احرام کی پابندی واجب ہوتی ہے بعض اوقات ہوائی سفر کے دوران حاجی کو پتہ نہیں چلتا' اور غالب امکان ہوتا ہے کہ ہوائی سفر میں احرام باندھنے اور نیت کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

حدودِ حرم میں داخل ہونے سے لے کر طواف وداع اور زیارت رسول ﷺ کے آداب اور مناسک ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔جنہیں امسال حج کی سعادت حاصل ہو رہی ہے وہ ان اماکن کی زیارت اور مناسک کو ادا کریں گے۔ آیئے! ہم بھی چشمِ تصور میں ان اماکن کی زیارت اور مناسک کی ادائیگی سے فیض یاب ہوتے ہیں:

حدود حرم میں داخل ہونا

مکہ معظّمہ سے تقریباً ۲۵ کلومیٹر پہلے ایک پولیس چیک پوسٹ آتی ہے' یہاں سے حرم شریف کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ اب آپ اپنی منزل کے قریب آرہے ہیں' یہاں دل اور دماغ کی کیفیات بدل جاتی ہیں' شوق و اشتیاق' جذبات و احساسات کی دنیا ہی بدل جاتی ہے' آنکھوں سے اشک کا سیل رواں جاری ہو جاتا ہے' تلبیہ پڑھنے میں ایک عجیب وارفتگی آجاتی ہے' حتیٰ کہ منزل شوق نظروں کے سامنے آجاتی ہے' عظیم شہر مکہ معظّمہ شریفہ؛ مسلمانوں کے ایمان، یقین اور عقیدت کا محور و مرکز؛ یہاں بیت اللہ کی نسبت سے بارگاہ الٰہی میں دعائیں کی جاتی ہیں۔عمرہ کے لیے حرم شریف میں تلبیہ پڑھتے ہوئے داخل ہوں' پہلے دایاں پاؤں اندر رکھیں' بیت اللہ شریف پر پہلی نظر؛ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت عظمیٰ ہے' قبولیت دعا کی انوکھی ساعت آپ کے ہاتھ میں ہے' اس ساعت مانگی ہوئیں تمام دعاؤں کو قبولیت کا شرف حاصل ہوتا ہے' یہاں آپ نے "عمرۃ" کرنا ہے۔

عمرہ کے شرائط اور طریقہ کار

۱۔احرام۔۔۔۔عمرہ کی شرط اول ہے' عمرہ کی نیت آپ پہلے ہی کر چکے ہیں۔

۲۔طواف کعبہ۔۔۔۔۔خانہ کعبہ کے گرد سات چکروں کا طواف خاص عمل ہے۔

۳۔سعی۔۔۔۔۔۔صفاء و مروہ پہاڑیوں کے درمیان سات پھیرے لگانے ہیں۔

۴۔حلق۔۔۔۔(سرمنڈانا) یا پھر قصر(سر کے بال کم کرانا) ضروری عمل ہے۔

طواف شروع کرنے سے پہلے کعبۃ اللہ کے اس سمت آ جائیں' جہاں حجر اسود نصب ہے' اسے بوسہ دیں یا چھو کر یہیں سے طواف شروع کریں۔ تلبیہ ختم کریں' سیدھا شانہ کھلا رکھیں' اس طرح کہ سیدھے ہاتھ کی بغل سے احرام کا کپڑا نکال کر بائیں ہاتھ کے کندھے پر ڈال لیں اس کو" اضطباع" کہتے ہیں۔ یہ مردوں کے لیے ہوتا ہے عورتوں کے لیے نہیں' حجر اسود کے سامنے اس طرح کھڑے ہوں کہ پورا حجر اسود آپ کے دائیں جانب ہو جائے' پھر طواف کی نیت کریں۔ اگر حجر اسود کو بوسہ یا چھوا نہ جا سکے تو ہاتھ سے اشارہ کریں' اسے استلام کہتے ہیں اور زیادہ رش میں یہی کرنا پڑتا ہے۔ دونوں ہاتھوں کو کان تک (تکبیر تحریمہ کے انداز میں) اٹھائیں اور بِسْمِ اللّٰہِ وَلِلّٰہِ الْحَمْد پڑھ کر ہاتھ

نیچے کر لیں اور طواف شروع کریں‘ یعنی کعبۃ اللہ کے دروازے کے دائیں جانب ایسا چلیں کہ کعبۃ اللہ آپ کے بائیں ہاتھ کی طرف ہو‘ پہلے تین چکر ’’رمل‘‘ کریں‘ یعنی اکڑ اکڑ کر تیز قدموں سے چلیں (مگر دوڑیں نہیں) یہ پیارے نبی ﷺ کی سنت عالیہ ہے‘ طواف کی یا دوسری جو دعائیں بھی یاد ہوں‘ خوب گڑگڑا کر پڑھیں‘ دعاؤں کا یاد کرنا بہت ہی باعث برکت ہوتا ہے۔ اگر کچھ بھی یاد نہ ہو‘ تو سُبْحَانَ اللّٰہِ‘ اَلْحَمْدُ لِلّٰہُ‘ اَللّٰہُ اَکْبَر کا ورد زبان پر رکھیں۔

آپ کے طواف کا ساتواں چکر حجر اسود پر ہی ختم ہو گا‘ کعبۃ اللہ کے تین کونوں سے گزر کر جب چوتھے کونے پہنچیں جسے رکن یمانی کہتے ہیں‘ تو رکن یمانی کو دائیں ہاتھ یا دونوں ہاتھوں سے چھونا بھی سنت رسول ﷺ ہے‘ اگر یہ آسانی سے کر سکیں تو کر لیں‘ ورنہ چھوڑ دیں‘ دھکم پیل سے اپنے آپ کو بچائیں اور دوسروں کو محفوظ رکھیں‘ یہ بھی افضل عبادت ہے۔ سات چکر پورے کرنے کے بعد حجر اسود کا استلام کریں‘ یہ استلام ’’سنت موکدہ‘‘ ہے‘ آپ کا ایک طواف مکمل ہو گیا۔

اب ملتزم کی جانب آئیں اور اس سے خوب چمٹ لیں اگر ہجوم کی وجہ سے موقع نہ ملے تو ملتزم کی طرف منہ کر کے دعا مانگ لیں‘ دعا کے بعد مقام ابراہیم کے پاس یا ہجوم کی صورت میں مسجد الحرام میں کہیں بھی دو رکعت نماز واجب الطّواف ادا کریں‘ بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو اور خوب دعائیں مانگیں‘ دعا سے فارغ ہو کر پیٹ بھر کر زمزم پئیں اور بیماریوں سے شفا کی دعا مانگیں۔ پھر صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر آئیں اور کوہ صفا پر کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر کے ’’سعی‘‘ کی نیت کریں اور بِسْمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اَکْبَر و لِلّٰہِ الْحَمْد پڑھ کر صفا سے سعی کا آغاز کریں اور کلمہ چہارم کا ورد کرتے ہوئے کوہ مروَہ کی جانب چلیں‘ صفا سے مروہ کی طرف جاتے ہوئے سعی کے راستے میں دو سبز ستون ہیں جنہیں ’’مِیلَیْن اَخْضَرَیْن‘‘ کہتے ہیں‘ یہاں بی بی حاجرہؓ نے پانی کی تلاش میں دوڑ لگائی تھی‘ انہیں نقوش پا کی تلاش و اتباع میں آپ بھی دوڑ کر چلیں اور وہ وقت یاد کریں‘ جب ایک برگزیدہ نبی سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں اپنی اہلیہ محترمہ حضرت حاجرہؓ اور شیر خوار اکلوتے فرزند حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو مکہ کی بے آب و گیاہ وادی اور لق ودق صحرا میں اللہ تعالیٰ کے سہارے چھوڑ کر ایک عظیم قربانی دی تھی۔ صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر پورے کرنے ہوتے ہیں اور ہر چکر پر صفا اور مروہ پر پہنچ کر کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ اٹھا کر جیسے طواف کے ہر چکر میں ہاتھ اٹھائے تھے‘ یہ دعا پڑھیں:۔ بِسْمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اَکْبَر وللّٰہِ الْحَمْد

ساتویں چکر پر مروہ پر آپ کی سعی مکمل ہو گئی‘ اب آپ سر منڈوا لیں یا قصر کر لیں‘ لیکن حلق یعنی سر منڈوانا افضل ہے۔ خواتین نے دوران سعی سبز ستونوں کے درمیان دوڑ نہیں لگانی ہوتی ہے‘ عورتوں کے لیے صرف انگلی کے ایک برابر بال کٹوانے ہوتے ہیں۔ مبارک ہو آپ کا عمرہ مکمل ہوا‘ اب آپ عام کپڑے پہن سکتے ہیں۔ آٹھویں ذی الحجہ کو مکہ معظّمہ سے منیٰ شریف روانگی کے وقت آپ کو دوبارہ احرام باندھنا ہو گا۔

مناسک و ارکان حج

۸ ذی الحجہ تک مکہ معظّمہ میں مقامات مقدسہ کی زیارت‘ عمرے‘ بیت الحرام میں حاضری‘ طواف‘ تلاوت قرآن حکیم اور دیگر عبادت میں وقت گزارنا بڑی سعادت ہوتی ہے۔ خانہ کعبہ پر نگاہ ڈالنا بھی بہت بڑی سعادت ہے‘ لیکن دوران طواف بیت اللہ کی جانب نہ دیکھیں‘ کیونکہ آپ کا سینہ بحالت طواف سیدھا رہنا چاہیے۔

آٹھویں ذی الحجہ: حج کا پہلا دن یوم ترویہ ہے۔ نماز فجر کے بعد غسل کریں‘ اگر غسل نہ کر سکیں تو وضو کر لیں‘ احرام باندھیں‘ بیت اللہ شریف میں دوگانہ نفل احرام سر ڈھانپ کر پڑھیں‘ سلام پھیرنے کے بعد سر کھول کر حج کی نیت کریں۔ تین دفعہ تلبیہ پڑھیں:

لَبَّیکَ اللّٰھُمَّ لَبَّیکَ، لَبَّیکَ لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَۃَ لَکَ وَ الْمُلْکَ لَا شَرِیکَ لَکَ

تلبیہ کے بعد جو جی چاہے دعا کریں، نیت اور تلبیہ کے بعد آپ ''محرم'' ہو گئے اور احرام کی سب پابندیاں آپ پر عائد ہو گئیں۔ ہو سکے تو طواف قدوم کریں ورنہ ضروری نہیں۔

نویں ذی الحجہ: حج کا دوسرا دن یوم عرفہ ہے۔ سورج نکلنے کے بعد منیٰ کی جانب روانگی (بذریعہ سواری یا پیدل، فاصلہ تقریباً پانچ / چھ کلومیٹر) اور عرفات میں وقوف کی نیت کرنا، دوپہر کا کھانا، مسجد نمرہ میں خطبہ حج سننا اور امام کے ساتھ ظہر اور عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھنا، (جمع بین الصلاتین) ورنہ اپنے خیمہ میں رہنا اور ظہر اور عصر کی نمازیں اپنے اوقات میں الگ الگ پڑھنا، اگر بہ آسانی جبل رحمت کی زیارت کا موقع مل سکے تو کرلیں ورنہ اپنے خیمہ سے نظارہ کافی ہوگا، یہ دن اللہ تعالیٰ سے طلب مغفرت کا ہے لہذا سارا دن توبہ استغفار، تسبیح وتہلیل اور گریہ و زاری میں گزارا جائے، اور جس قسم کی دعا یاد ہو، اللہ کی بارگاہ میں عرض کریں۔

غروب آفتاب کے وقت، امام کے میدان عرفات سے نکلنے کے بعد اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ نے یقیناً مجھ بیچارے مسکین طالب دعا کی ساری دعائیں قبول فرما لی ہیں، میدان عرفات سے جانب مزدلفہ روانہ ہو جائیں، نماز مغرب کا وقت ہو جانے کے باوجود، میدان عرفات میں نماز مغرب ادا کرنے کی اجازت نہیں، حضور ﷺ کا حکم ہے کہ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشا کی نمازیں ملا کر پڑھے۔

عرفات سے مزدلفہ بذریعہ سواری یا قافلہ عشاق کے ساتھ پیدل آیا جا سکتا ہے (فاصلہ تقریباً ۶ کلومیٹر) سارا راستہ، درود شریف، ذکر و استغفار، بہ آواز بلند تلبیہ اور تکبیر تشریق ذوق و شوق سے پڑھیں اور سفر شوق میں شامل دوسرے لوگوں کے ساتھ جتنا ہو سکے، پیار، محبت مودت اور ہمدردی سے پیش آئیں۔ حدود مزدلفہ میں ایک پہاڑی ''مشعر حرام'' کے قریب یا جہاں بھی جگہ ملے، وقوف و قیام کریں۔ یہاں پہنچ کر سب سے پہلے نماز کی تیاری ضروری ہے، مغرب اور عشا کی نمازیں ملا کر پڑھی جاتی ہیں، طریقہ یہ ہو گا کہ کچھ ساتھی اکٹھے ہو جائیں، ایک شخص اذان و اقامت کہے، امام کے پیچھے تین رکعت مغرب کی پڑھے، سلام پھیرنے کے بعد تکبیر تشریق کہیں، پھر تلبیہ پڑھیں، اس کے بعد فوراً کھڑے ہو کر امام کے پیچھے عشاء کے فرض ادا کریں، سلام کے بعد تکبیر تشریق کہیں اور تلبیہ پڑھیں پھر مغرب کی سنتیں اور بعد عشاء کی سنتیں اور وتر ادا کریں اور ہو سکے تو ساری رات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تسبیح وتہلیل اور ذکر وفکر میں گزاریں ورنہ کچھ دیر آرام کرلیں اور تازہ دم ہو کر مصروف عبادات ہو جائیں، عازمین حج ذہن میں رکھیں کہ یہ عید کی رات ہوتی ہے، ایک وہ عید کی رات ہوتی ہے جو اپنے گھر ماں باپ بیوی بچوں کے ساتھ گزاری جاتی ہے اور یہ وہ ''عید کی رات'' ہوتی ہے جو ایک لق ودق صحرا میں اللہ کے ساتھ گزاری جاتی ہے، کیا خبر زندگی میں ایسی عید کی رات پھر نصیب ہوتی ہے یا نہیں، کئی اعتبار سے یہ رات بے مثال اور شب قدر سے بھی زیادہ افضل ہوتی ہے، سمجھنے والے ہی اسے سمجھ پاتے ہیں، یہاں رات کو کچھ دیر کے لیے آرام کرنا اور تازہ دم ہونا بھی سنت نبی رحمت ﷺ ہے۔

دسویں ذی الحجہ: یہ یوم النحر ہے۔ مزدلفہ میں شاندار اور نادر المثال عید کی رات گزرنے کے بعد فجر کی نماز پڑھیں، اور بہت اہم کام ''نیت وقوف مزدلفہ'' کریں، اللہ کی بارگاہ میں اس وقوف کی قبولیت کی دعا کریں، یہ نیت واجب ہے، اس کا معینہ وقت طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے تک ہے، لہذا احتیاط ضروری ہے۔

اس روز یعنی عید کے دن کا میدان مزدلفہ کا اہم کام، 70 کے قریب، درمیانے سائز کے سنگریزوں (کنکروں)

کا چننا اور اچھی طرح دھو کر اپنے پاس محفوظ رکھنا ہے۔ یہ جمرات پر تین شیطانوں کو مارنے کے کام آتے ہیں' پچاس سنگریزے مارنے کے لیے اور بیس فالتو بوقت ضرورت استعمال کے لئے' مزدلفہ کی عظیم الشان اور حسین عبادات ختم، اب حاجی منیٰ شریف کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔(فاصلہ مزدلفہ تا منیٰ شریف تقریبا ۶ کلومیٹر) بذریعہ سواری یا پیدل چلنے والوں کا زبردست ہجوم' تکبیرات تشریق اور تلبیہ کی روح پرور صدائیں' مزدلفہ سے منیٰ شریف جاتے وقت بہت زیادہ احتیاط کی ضرت ہوتی ہے' کمزور اور ناتواں افراد' خواتین اور بچوں کوسڑک کے کنارے اور بڑی احتیاط سے چلنا چاہیے' انسانی جان کی حفاظت اللہ کی عظیم عبادت ہے اور کسی دوسرے انسان کو اپنے کسی عمل یا زور آزمائی سے ایذا دینا' زخمی کرنا یا دھکم پیل سے اذیت دینا، پاؤں تلے کچل دینا نہ صرف ایک عظیم گناہ بلکہ موجب عذاب الٰہی ہوتا ہے' لہذا حاجیوں کو اپنے سے زیادہ دوسروں کی حفاظت کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ یہی روح عبادت ہے' جاہل اور ہٹے کٹے لوگ جب دھکے دے دے کر اپنا راستہ بناتے ہیں، کمزور لوگوں کو گراتے ہیں اور ان کا دل اس ظلم پر نہیں پسیجتا تو بوڑھے ناتواں مرد، بچوں اور خواتین کی بے بسی پر قہر الٰہی جوش میں آتا ہے اور اس مغفرت اور نجات والے دن بھی ایسے منہ زور' اکھڑ اور بیدرد لوگوں پر اللہ غضب نازل فرماتا ہے' ایسے لوگ سوچیں کہ وہ حج سے کیا کماتے ہیں اور کیا کھودیتے ہیں۔

مزدلفہ سے منیٰ شریف اور رمی جمار کے موقع پر ہجوم کیونکہ بہت ہی زیادہ ہوتا ہے، اس لئے اپنے طور پر احتیاط کرنا بہت ضروری ہے۔

مزدلفہ سے منیٰ شریف آتے ہوئے ''وادی مَحَسَر'' میں سے گزرنا ہوتا ہے' یہاں اصحاب فیل پر ابابیلوں نے حکم الٰہی سے سنگباری کی تھی' یہاں اللہ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہوئے تیزی سے گزرا جائے کہ یہی حکم نبی ﷺ ہے۔

مزدلفہ سے منیٰ شریف پہنچ کر حاجی نے عید کا دن یعنی ۱۰ ذی الحجہ اور گیارہ اور بارہ ذی الحجہ یہاں حسب ذیل طریقے سے گزارنے ہیں' عید کا دن یعنی دسویں تاریخ' انتہائی چوکسی' پھرتی' چستی' ہوش مندی' حاضر دماغی اور انتظام کا دن ہے۔ اس مقدس اور اہم ترین دن میں چار کام کرنے لازم ہوتے ہیں:

(۱) رمی جمرات (۲) قربانی

(۳) مردوں کا سر منڈانا اور عورتوں کا اپنے بالوں سے بقدر ایک پور بال کاٹنا (۴) طواف زیارت

۱۔رمی جمرات

جمرات ان مقامات کو کہتے ہیں' جہاں سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو پتھر مارے تھے' منیٰ سے مکہ مکرمہ کی جانب جاتے ہوئے تین جمرات راستے میں پڑتے ہیں' پہلا ''الجمرۃ الاولیٰ'' یعنی پہلا جمرہ' اس کے بعد ''الجمرۃ الوسطیٰ'' یعنی درمیانی جمرہ اور آخری عقبہ گھاٹی کے قریب ''الجمرۃ العقبہ'' ہے۔ ہر حاجی پر واجب ہے کہ وہ سنت ابراہیمی کی اتباع میں جمرات پر جا کر شیطان کو کنکریاں ماریں اسے رمی کرنا کہتے ہیں۔ ہر ستون کو سات کنکر مارنا ہوتے ہیں' یہاں بہت رش ہوتا ہے لہذا انتہائی احتیاط اور حاضر دماغی کی ضرورت ہوتی ہے۔

عید کے دن صرف ''جمرہ عقبہ'' کو رمی کرنا ہوتی ہے۔ منیٰ شریف کی طرف سے جائیں تو یہ جمرہ سب سے آخر میں آتا ہے' لہذا اس دن حاجی صرف سات کنکر ساتھ لے (احتیاطاً دو تین اضافی کنکر جیب میں رکھ لیں) جمرہ الاولیٰ اور جمرہ وسطیٰ کو چھوڑ دیں اور ان سے تقریباً ایک فرلانگ آگے ''جمرہ عقبہ'' یعنی بڑے شیطان کی طرف بڑھیں۔اور پیالے کے قریب کھڑے ہو کر چٹکی میں ایک کنکر لے کر ہاتھ بلند کر کے اطمینان سے "**بسم اللہ' اللہ اکبر**" کی تکبیر کہیں، اور پوری قوت سے ستون کو نشانہ بنا کر کنکر ماریں۔ اگر کنکر

ستون کو لگ جائے یا اُس کے قریب گر جائے تو صحیح رمی ہو جائے گی۔ لیکن اگر کنکر بقدر تین ہاتھ دور گریں تو رمی معتبر نہیں ہوگی' اس کی جگہ ایک اور کنکر مارنا پڑے گا' اس جگہ آپ کے لائے ہوئے اضافی کنکر کام آئیں گے یا وہ دوسرے حجاج کو بھی دیئے جا سکتے ہیں۔ فالتو کنکر خوش باش لوگ خوشی سے بانٹتے ہیں' نیچے گرے ہوئے پتھر اٹھانا ممنوع ہے کیونکہ وہ مردود ہو جاتے ہیں' فرشتے صرف مقبول کنکروں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں' جمرات پر لاکھوں کروڑوں پتھروں سے پہاڑ بن گئے ہوتے لیکن اسلام کی صداقت کا زندہ نشان' وہاں کنکروں کا جمع نہ ہونا بھی ہے' بس تھوڑے سے پتھر معمولی ڈھیریوں کی صورت میں پڑے نظر آتے ہیں۔

ایک پتھر نشانے پر مارنے کے بعد دوسرا پتھر' اسی طرح صدائے تکبیر اور باری باری سات پتھر نشانے پر مارنے ہوتے ہیں' ہجوم کی وجہ سے یا گھبراہٹ سے سات پتھر ایک ساتھ مارنا منع ہے۔ اگر ایسا کیا تو وہ سب ایک ہی پتھر کا مارنا شمار ہو گا۔ (بعض جہلاء جوش میں آ کر جمرات کو جوتے مارنا شروع ہو جاتے ہیں جو ایک شاندار عبادت کے ساتھ مذاق ہوتا ہے' مسلمان کی شان' نظم و ضبط سے ظاہر ہوتی ہے)

دسویں تاریخ کو طلوع فجر سے زوال آفتاب تک رمی کرنا مسنون اور افضل ہے' زوال سے غروب آفتاب تک جائز اور مباح اور سورج ڈھلنے سے لے کر صبح صادق تک مکروہ ہے۔ بیمار' معذور اور کمزور اشخاص کسی کو نائب بنا کر رمی کرائیں تو جائز ہے' عورتوں کو ہجوم کم ہونے اور رات کے وقت رمی کرنا افضل ہے' ہجوم کے ڈر کی وجہ سے اگر بعض توڑ دلے نازک مزاج یا صاحب ثروت افراد' کسی کو نائب بن کر رمی کرائیں تو یہ ناجائز ہو گا۔

۲۔قربانی

حج تمتع اور حج قران کرنے والوں پر قربانی کرنا واجب ہے۔ حج افراد والوں کے لیے مستحب ہے اور ثواب ہو گا۔ اپنے ہاتھ سے قربانی کا جانور ذبح کرنا افضل ہے' اگر طریقہ نہ آتا ہو تو مقام ذبح پر موجود رہے اور دعائے مسنونہ پڑھے۔

سعودی حکومت نے مزدلفہ کی حدود میں ایک سرکاری ''منحر'' یعنی ذبح گاہ بنایا ہے' جہاں حاجی کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنے خریدے قربانی کے جانور کو ذبح ہوتے دیکھ سکے' بہر حال یہ وہاں کا قانون ہے اور حاجی کو بادل نخواستہ ان کے بتائے ہوئے طریقہ کار اور وقت ذبح جو رسید پر درج ہوتا ہے' پر یقین و اعتماد کرنے کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہیں ہوتا' لہذا بحیثیت مضطرین شرعاً ان کی قربانی ہو جاتی ہے' حج تمتع یا قران والوں پر قربانی کرنا واجب ہے' لیکن اگر کسی ایسے حاجی کے پاس قربانی کرنے کے لیے رقم کی گنجائش نہ ہو، تو بطور کفارہ وہ دس روزے رکھے' تین روزے (ایک ساتھ یا جدا جدا کر کے) وہیں حج کے مہینے میں اور سات روزے گھر آ کر رکھے۔ ہر حاجی دسویں کو قربانی دے گا' اگر نہ دے سکے تو گیارہ اور بارہ تاریخ کو بھی دے سکتا ہے لیکن بارہ تاریخ کو غروب آفتاب کے بعد قربانی کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔

۳۔سر منڈوانا

منیٰ شریف میں دسویں تاریخ کا تیسرا اہم کام رمی اور قربانی کے بعد حلق یا قصر ہے' حلق استرے سے سر منڈانے اور قصر بال کاٹنے کو کہتے ہیں۔ حلق نہ کرنے کی صورت میں لازماً سارے سر یا کم از کم سر کے چوتھے حصے کے بال ایک پورے سے زیادہ کٹوانے پڑتے ہیں' اگر کوئی کم بال کٹوائے گا اور احرام اتار کر سلے کپڑے پہن لے گا تو اسے جرمانہ (دم) کی صورت میں ایک بکری ذبح کرنی ہوگی۔ اگر کسی حاجی کے سر پر ایک پورے جتنے بال نہ ہو تو اس کے لیے قصر نہیں وہ حلق کرائے گا اور اگر کسی شخص کے

سر پر بال ہیں ہی نہیں، تو اس پر لازم ہے کہ وہ خالی استرا سر پر پھیر لے۔ حلق کرتے وقت قبلہ رخ بیٹھا جائے اور تکبیر تشریق اور دیگر دعائے مسنونہ پڑھیں۔ حلق سے فارغ ہونے پر دوبارہ تکبیر تشریق پڑھیں۔ حلق حدود حرم میں واجب ہے، حدود حرم سے باہر حلق کرنے پر دم دینا پڑے گا، قصر سے حلق افضل ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے محلّقین کے لیے دعا فرمائی ہے۔

۴۔طواف زیارت

عید کے دن یعنی دسویں تاریخ کا چوتھا اہم کام ''طواف زیارت'' ہے، حرم شریف میں کسی بھی دروازے سے داخل ہونا جائز ہے اور پورے طریقہ کار، نظم وضبط اور قواعد وضوابط سے طواف کرنا ضروری ہے۔ خیال رہے کہ طواف زیارت حج کا رکن ہے، اس کے بغیر حج نامکمل رہ جاتا ہے، طواف، مقام ابراہیم پر دو نفل، ملتزم کے ساتھ چمٹنا، آب زم زم پینا اور صفا مروہ کی سعی کے بعد غروب آفتاب سے پہلے منیٰ شریف میں واپس آنا ضروری ہوتا ہے، رات کہیں اور بسر کرنا مکروہ ہے۔

گیارہویں ذی الحجہ: گیارہویں تاریخ کو آپ نے منیٰ شریف میں صرف ایک کام یعنی رمی جمرات؛ کرنا ہے۔ زوال آفتاب یعنی ظہر کے بعد، تینوں جمرات کو کنکر مارنے ہیں بہتر ہے کہ نماز ظہر، مسجد خیف میں جو جمرات کے قریب ہے، ادا کی جائے پھر جمرہ اولیٰ کے پاس آ کر اسے باری باری سات کنکر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ماریں، پھر بائیں طرف ہٹ کر دیر تک مناجات الٰہی، ذکر، دعا اور استغفار کریں اور سلامتی کے لیے مسنونہ دعائیں مانگیں۔ جمرہ اولیٰ کے بعد اسی طرح جمرہ وسطیٰ اور پھر جمرہ عقبہ پر آئیں اور عمل رمی جمرات کا یہی عمل دہرائیں، استغفار اور دعاؤں کے بعد منیٰ شریف میں اپنے خیمہ میں واپس آ کر مصروف عبادات ہو جائیں، اگر کسی حاجی سے دس تاریخ کو طواف زیارت رہ گیا ہو تو وہ آج گیارھویں کو کر لے اور پھر واپس منیٰ شریف میں آ کر رات گزارے، ایام تشریق کی اعلیٰ ترین عبادات ہر نماز کے بعد تکبیرات تشریق ہوتی ہیں۔

بارہویں ذی الحجہ: بارہویں تاریخ کو بھی زوال آفتاب کے بعد غروب آفتاب تک تینوں جمرات کی رمی لازمی ہے، مردوں کے لیے رات کو رمی کرنا مکروہ اور خواتین کے لیے افضل ہے، کمزور، بوڑھے اور بچے رات کو بھی رمی کر سکتے ہیں۔ اگر کسی کا طواف زیارت رہ گیا ہو تو بارہویں تاریخ غروب آفتاب تک کر سکتا ہے۔

بارہویں تاریخ کی رمی کے بعد مصروفیات حج اختتام کو پہنچ جاتی ہیں، ان پانچ دنوں میں متعینہ مقامات مقدسہ پر وقوف وقیام، قواعد وضوابط کے ساتھ ارکان اور مناسک حج کی ادائیگی، اتباع نبی ﷺ اور پیروی صحابہؓ میں نقوش پائے اولیاء و اتقیاء کی تلاش اور ان کی یاد کو قائم رکھنے کا نام حج ہے۔ بارہویں تاریخ کو حاجی مکہ مکرمہ جا سکتا ہے لیکن اگر وہ منیٰ شریف میں قیام کرنا چاہے تو اسے اجازت ہے، ہر شخص اپنی سہولت کے مطابق عمل کرے۔

تیرہویں ذی الحجہ: اگر حاجی نے بارہویں کی شب منیٰ شریف میں گزاری اور تیرہ تاریخ کی فجر بھی وہیں پائی تو زوال کے بعد اسے جمرات کی رمی واجب ہو گی، عورتوں اور کمزور افراد کو زوال سے پہلے رمی کی اجازت ہے۔

مکہ مکرمہ آنے کے بعد متفرقہ عبادات میں وقت گزارا جائے، نفلی طواف اور عمرہ ایسی عبادات ہیں جو صرف کعبۃ اللہ ہی کے لیے خاص ہیں لہذا خوش قسمت لوگ اس سے بھر پور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ عموماً حج کے بعد لوگ ایک طرح کی آزادی محسوس کرتے ہیں، وہ حدود حرم، مکہ المکرّمہ، غار حرا، غار ثور اور دیگر مقامات مقدسہ کی زیارت میں بیباکی اختیار کرتے ہیں، خاص کر بعض پاکستانی خواتین پردے کے لباس کو ترک کر کے بے پردہ رنگین اور باریک لباس پہننا شروع کر دیتی ہیں اور بے حجاب ہو کر بیباکی سے

بازاروں اور حرم پاک میں گھومتی پھرتی ہیں، اسے بدبختی کی ابتدا سمجھ لیں۔ زندگی میں ایک بار سخت ترین مشقت سے جو خواتین پانچ روزہ امتحان پاس کر کے آتی ہیں اور جس کا صلہ ان کو دائمی حجاب، پردہ، کی پابندی گمراہی اور بیبا کی سے نجات کی صورت میں ملنا ہوتا ہے، اس پر وہیں لات مار دیتی ہیں اور عقل علم اور خیر و شر میں امتیاز کی کمی کی وجہ سے شیطان کا شکار ہو جاتی ہیں، وہی شیطان، جس کو تین دن مسلسل دھتکارا، پتھر مارے اور اللہ سے اس کے شر سے محفوظ رہنے کی دعائیں مانگیں، اسی کے تیرنادیدہ کا شکار ہو جاتی ہیں، بعض مرد حضرات بھی خواتین سے کم نہیں ہوتے ہیں، وہ بھی سب کچھ بھول بھال جاتے ہیں اور ایسے اعمال میں مشغول ہو جاتے ہیں، کہ توبہ ہی بھلی۔ اللہ تعالی شیطان کے غلبہ اور حربوں سے سب حجاج کرام کو محفوظ و مامون رکھے۔

حجاج کرام، جب تمام مناسک و ارکان حج سے فارغ ہو کر وطن واپس ہونے لگیں تو واجب ہے کہ وہ طواف وداع یا طواف رخصت کریں، وہ حرم شریف میں بڑے حسرت و یاس کے جذبات سے داخل ہوں، رمل اور اضطباع کے بغیر بڑے دل گیر انداز میں طواف کریں، ملتزم کے ساتھ چمٹ کر روئیں، جدائی کے احساس سے خوب روئیں، آہیں بھریں، گڑ گڑائیں، دیوار کعبہ پر دایاں رخسار رکھیں اور سوز و گداز کی کیفیت میں بلک بلک کر بیت اللہ سے جدائی پر روئیں، اللہ کی بارگاہ میں خوب فریاد کریں اور رخصت کے وقت انتہائی حسرت و یاس سے کعبۃ اللہ کو بار بار پیچھے مڑ مڑ کر دیکھیں اور انتہائی لجاجت سے حرم پاک سے باہر نکلیں اور بیت اللہ سے جدائی کے تصور سے حسرت بھرے دِل سے مدینہ شریف کا سفر شروع کریں۔

دربار رسالتمآب ﷺ کی حاضری

خوش قسمت ہوتے ہیں وہ افراد کہ جنہیں بار گاہ رسالتمآب سرکار دو عالم ﷺ کی حاضری کا شرف نصیب ہو جائے۔

☆ حضور نبی محتشم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

”جس نے میری قبر (روضہ پاک) کی زیارت کی، اس کے لیے میرے شفاعت لازمی ہوگئی“

☆ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی، ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی“۔

☆ پھر ارشاد فرمایا: ”جس کو مدینے تک پہنچنے کی وسعت ہو اور وہ میری زیارت کو نہ آئے (یعنی صرف حج کر کے چلا جائے) اس نے میرے ساتھ بڑی بے مروتی کی“

مکہ معظّمہ سے مدینہ پاک کا سفر بذریعہ بس تقریبا سات آٹھ گھنٹوں کا ہے، فاصلہ تقریبا ۴۵۰ کلو میٹر ہے۔ یہ دیار نبی کا سفر اشتیاق ہے اور عجیب تر ہے، ایک عجیب کیفیت کا عالم ہوتا ہے، عشاقانِ نبی کا پرواز تخیل چودہ صدیوں پر محیط ہوتا ہے، ایک عالم استغراق ہوتا ہے، خواہش ہوتی ہے پر لگیں اور دیار نبی کی خاک چوم لیں۔ راستے میں بعض قسمت والوں کو ”شہداء بدر“ کی زیارات کی حاضری اور ”بئر علی“ پر نفل کی سعادت مل جاتی ہے، جب مدینہ منورہ کے مضافات میں پہنچتے ہیں تو دیدہ و دل کی ایک عجب کیفیت ہوتی ہے، دونوں مصروف گریہ ہوتے ہیں۔ آنکھ بھی رو رہی ہوتی ہے اور دِل بھی رو رہا ہوتا ہے۔

مسجد نبوی کے گنبد خضراء پر جب پہلی نظر پڑتی ہے اور زبان پر درود شریف کے زمزمے کھل جاتے ہیں تو ایک عجیب سماں ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ میں داخل ہونا زندگی کی بہت بڑی سعادت ہے یہیں سے دعائے شوق کی ابتداء ہوتی ہے۔ اس بہت ہی بڑے دربار میں حاضری سے پہلے غسل، مسواک، صاف ستھرے کپڑوں اور خوشبو کا خاص اہتمام کرنا لازم ہوتا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ مے آید جنید و با یزید ایں جا

کوشش کریں کہ آپ کا داخلہ مسجد نبوی میں

باب جبریل سے ہوئے ریاض الجنتہ میں دو رکعت تحیتہ المسجد انتہائی حضوع و خشوع سے ادا کریں۔ سجدہ شکر بجا لائیں کہ کہاں ہم اور کہاں دربار نبوی کی حاضری!

ایں سعادت بزور بازوئے نیست'

انتہائی ادب سے آہستہ سے سلام پڑھتے ہوئے مزار مبارک کے سامنے حاضر ہوں۔ بارگاہ رسالت ہے' عظمت رسول ﷺ کا کیا مقام ہے' احترام میں معمولی فروگزاشت بہت بڑا گناہ ہے' ایسا گناہ کبیرہ کہ ساری عمر کی کمائی لمحہ بھر میں غارت ہو جائے۔

نہایت ادب سے ہاتھ باندھ کر جھکی نگاہوں سے بارگاہ رسالت میں ہدیہ درود و سلام پیش کریں' مواجہ شریفہ کی طرف چہرہ ہو، پشت قبلہ کی طرف رکھیں' آپ ﷺ حیات ہیں اور باعث حیات المسلین' غلاموں کی معروضات پوری توجہ سے سنتے ہیں۔اور نگاہ کرم سے نوازتے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین پر سلام انتہائی ادب و احترام سے پیش کریں۔ مواجہ شریفہ' مقصورہ شریفہ اور مسجد نبوی کا چپہ چپہ نور فشاں ہے' ریاض الجنتہ اور اس کے سات ستون' چبوترہ تہجد ،مقام صفہ اور گنبد خضرا مقامات نور و برکت ہیں۔ مدینہ منورہ کے تمام مقامات مقدسہ کی زیارت عین عبادت ہے۔

مقام التجا و فریاد ہے' آقائے نامدار کے سامنے قلب کی سب آرزوئیں اور التجائیں رکھ دیں' دین اسلام کی بھلائی ترقی و کامرانی ملک عزیز میں نظام مصطفےٰ کے قیام اور امن کے لیے دعائیں' سلامتی ایمان کی دعائیں' والدین' اعزہ و اقارب، احباب اور امت مسلمہ کے لیے دعائیں' مقام ادب ہے' نگاہیں نور سے خیرہ ہو جاتی ہیں لیکن نظم و ضبط برقرار رکھنے کا درجہ ادب، جذبہ اشتیاق سے بالا ہے' بے جا اظہار وارفتگی اور بے حالی سے مکمل پرہیز کرنا لازم ہے۔

تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام

تزکیہ نفس، فہم دین، اصلاح احوال، توبہ اور آنسوؤں کی بستی

20 واں سالانہ شہرِ اعتکاف 2011ء

تجدید دین و احیائے اسلام کی عالمی تحریک، تحریک منہاج القرآن کو یہ سعادت و اعزاز حاصل ہے کہ حرمین شریفین کے بعد دنیا کا سب سے بڑا اجتماعی اعتکاف شہر اعتکاف کے نام سے سجایا جاتا ہے۔ یہ اعتکاف حضور سیدنا طاہر علاؤالدین الگیلانی البغدادیؒ کی روحانی قربت و معیت اور شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مدظلہ کی صحبت و انداز تعلیم و تربیت کی بناء پر منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ یہ اعتکاف قرآن، حدیث، فقہ و تصوف اور احیائے اسلام کے لئے افراد کی تیاری سے متعلق تعلیم و تربیت کا حسین امتزاج ہے۔

تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام اس شہر اعتکاف میں تلاوت، ذکر و اذکار، نعت خوانی، درس و تدریس کے حلقہ جات، نوافل اور وظائف ایک خاص شیڈول کے مطابق معتکفین کے ذوقِ عبادت کو بڑھانے کی غرض سے منظّم انداز میں بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ اس دوران ان کی فکری و نظریاتی، اخلاقی و روحانی اور تنظیمی و انتظامی تربیت کا بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ وہ اخلاص و للّٰہیت سے معمور ہو کر مزید بہتر انداز میں تجدید دین کے اس مصطفوی مشن کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو تیار کرسکیں۔ یہ اجتماعی اعتکاف نہ صرف اللہ رب العزت کے حضور اجتماعی توبہ اور گریہ و زاری کا موقع فراہم کرتا ہے بلکہ غلامی مصطفی کو آقا سے وفا تک لے جانے کا باعث بھی بنتا ہے۔

گذشتہ سال ملک پاکستان میں آنے والے تباہ کن سیلاب کی بناء پر ''شہر اعتکاف'' کا انعقاد نہیں ہوا بلکہ شیخ الاسلام کی ہدایات پر اعتکاف کا ارادہ کرنے والے ہزاروں معتکفین اور جملہ مالی وسائل کو متاثرہ علاقوں میں عوام الناس کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کیا گیا۔

امسال تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام 20 ویں سالانہ اجتماعی اعتکاف کا انعقاد کیا گیا جس میں اندرون و بیرون ملک سے ہزاروں خواتین و حضرات نے خصوصی شرکت کی۔

ہر روز شیخ الاسلام کے کینیڈا سے لائیو ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے براہ راست خطابات نشر کئے گئے۔ منہاج انٹرنیٹ بیورو اور منہاج پروڈکشنز کے باہمی تعاون سے شیخ الاسلام کے خطابات سمیت شہر اعتکاف کی جملہ سرگرمیاں www.minhaj.tv پر براہ راست نشر کی گئیں۔ ناظم اعلیٰ محترم ڈاکٹر رحیق احمد عباسی، سینئر نائب ناظم اعلیٰ محترم شیخ زاہد فیاض (سربراہ اعتکاف کمیٹی)، محترم جواد حامد (سیکرٹری اعتکاف کمیٹی) اور 58 انتظامی کمیٹیوں کے سربراہان و ممبران نے اس شہر اعتکاف کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

☆ شہر اعتکاف میں مختلف مواقع پر زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والی نامور شخصیات، مشائخ عظام، علماء کرام، وکلاء،

صحافی حضرات اور تحریک منہاج القرآن کی جملہ نظامتوں کے ناظمین اور مرکزی قائدین نے خصوصی شرکت کی۔

☆ معتکفین کے لئے اس اعتکاف کا ماحصل شیخ الاسلام کے خطابات ہوتے ہیں۔ جن کے ذریعے وہ اپنے علمی، روحانی، تربیتی، تنظیمی امور میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ امسال شیخ الاسلام نے معتکفین کی علمی و روحانی آبیاری کے لئے ''حقائق تصوف اور طرائق معرفت'' اور دیگر اہم تربیتی موضوعات پر اظہار خیال فرمایا۔ (خطابات کے خلاصہ جات اس رپورٹ کے آخر پر ملاحظہ فرمائیں۔)

☆ معتکفین کی علمی وفکری آبیاری اور فہم دین بھی تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام منعقدہ اس اجتماعی اعتکاف کا اہم خاصہ ہے۔ شہر اعتکاف میں معتکفین کی علمی وفکری اور ذہنی استعداد کو مزید اجاگر کرنے کے لئے تحریک منہاج القرآن کی مختلف نظامتوں کے زیر اہتمام تنظیمی و تربیتی نشستوں کا خصوصی اہتمام کیا گیا۔ ان نشستوں میں درج ذیل موضوعات پر مختلف احباب نے خصوصی لیکچرز دیئے:

۱۔ مقصود حیات، رضائے الٰہی (محترم صاحبزادہ ظہیر احمد نقشبندی)
۲۔ آئیں دین سیکھیں اور عرفان القرآن کورسز کی اہمیت اور فروغ (محترم غلام مرتضیٰ علوی)
۳۔ تحریک کے فورمز کے درمیان بہتر کوآرڈینیشن کیسے؟ (محترم ڈاکٹر رحیق احمد عباسی)
۴۔ حلقات درود وفکر سے نتائج کے حصول کا لائحہ عمل (محترم احمد نواز انجم)
۵۔ دعوت بذریعہ کیسٹ کے ذرائع اور اس کا فروغ (محترم غلام مرتضیٰ علوی)
۶۔ تحریک منہاج القرآن کی رفاقت وسنگت کی اہمیت (محترم رانا محمد ادریس)
۷۔ ''اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں'' (محترم ڈاکٹر طاہر حمید تنولی)

☆۔ تحریک منہاج القرآن کی جملہ نظامتوں اور فورمز منہاج القرآن یوتھ لیگ، مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ، منہاج القرآن ویمن لیگ، نظامت دعوت وتربیت اور منہاج ایجوکیشن سوسائٹی کے زیر اہتمام بھی تربیتی نشستوں کا اہتمام کیا گیا۔

☆ شہر اعتکاف میں احباب کی علمی وفکری اور روحانی تربیت کا بھی خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ یہ احباب اپنے انفرادی معمولات و معاملات کو بھی دین اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔ اس سلسلے میں نظامت تربیت کے زیر اہتمام قرآن مجید، عبادات وعقائد، اخلاق حسنہ اور فقہی مسائل پر مشتمل باقاعدہ اسلامی تربیتی نصاب مرتب کیا گیا۔ ان تربیتی حلقہ جات میں نظامت دعوت کے ناظمین، منہاجینز اور کالج آف شریعہ منہاج یونیورسٹی کے طلبہ نے معتکفین کو خلوت، خاموشی، ذکر الٰہی، توبہ و استغفار، عقیدہ توحید اور تصور شرک، عقیدہ استعانت و شفاعت، فضائل و برکات درود وسلام، اخلاق حسنہ اور تکریم انسانیت، خدمت خلق، حقوق العباد، نماز، روزہ اور دیگر عبادات کے فقہی مسائل کے حوالے سے آگاہ کیا۔

☆ معتکفین کے لئے آئیں دین سیکھیں کورس اور حلقہ درود وفکر کا روزانہ کی بنیاد پر خصوصی اہتمام کیا گیا۔

☆ تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام منعقدہ اس شہر اعتکاف میں عامۃ الناس کو درپیش فقہی مسائل کا بھی دور حاضر کی ضروریات و تقاضوں کے مطابق ایک جامع اور مکمل حل پیش کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہر روز باقاعدہ فقہی مسائل کی نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں محترم مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی نے معتکفین کے فقہی سوالات کے جوابات مرحمت فرمائے۔

☆ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں کا خصوصی اہتمام بھی ایمان کے نور کو جلا بخشتا ہے۔ ان راتوں میں منہاج القرآن یوتھ لیگ، مصطفوی سٹوڈنٹس موومنٹ، منہاج القرآن ویمن لیگ اور مختلف نظامتوں کے زیر اہتمام محافل کا انعقاد ہوا۔ ان محافل میں ملک کے نامور قراء، ثناء خوانان مصطفیٰ اور ایرانی قراء کے وفود نے خصوصی شرکت کی۔ یہ

جملہ محافل www.minhaj.tv پر براہ راست نشر کی گئیں۔

☆ شیخ الاسلام کی اعتکاف کے موقع پر آنے والی نئی کتب

اعتکاف کے موقع پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی سلسلۂ اربعینات کی کتب اوردیگر موضوعات پر درج ذیل نئی کتب منظر عام پر آئیں۔ان کتب کا تفصیلی تعارف بھی شرکاء اعتکاف کے لئے پیش کیا گیا۔

(۱)سلسلہ اَربعینات: أَطْيَبُ الطِّيْبِ فِي حُبِّ النَّبِيِّ الْحَبِيْب ﴿محبتِ رسول میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وارفتگی﴾

(۲) نُوْرُ الْعَيْنَيْن فِي طَاعَةِ سَيِّدِ الثَّقَلَيْن ﴿اِطاعتِ مصطفٰی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اِیمان اَفروز واقعات﴾

(۳) تُحْفَةُ الأنَام في فَضْلِ الصَّلَاةِ وَالسَّلَام ﴿فضیلتِ درود وسلام﴾

(۴) هِدَايَةُ الطَّالِبِيْن فِي فَضَائِلِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْن رضی اللہ عنہم ﴿خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے فضائل ومناقب﴾

(۵) اَلْقَوْلُ الْمَقْبُوْل فِي ذِكْرِ أَصْحَابِ الرَّسُوْل رضی اللہ عنہم ﴿صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذِکرِ جمیل﴾

(۶) حُسْنُ الْمَآب فِي ذِكْرِ أَبِي تُرَاب کرم اللہ وجہہ الکریم ﴿سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ذکرِ جمیل﴾

(۷) زُبْدَةُ الْعِرْفَان فِي فَضَائِلِ الْقُرْآن ﴿فضائلِ قرآن﴾

(۸) اَلرَّحَمَات فِي إِيْصَالِ الثَّوَابِ إِلَى الْأَمْوَات ﴿اِیصالِ ثواب﴾

(۹) جَلَاءُ الصُّدُوْر فِي زِيَارَةِ الْقُبُوْر ﴿فضیلتِ زیارتِ قبور﴾ (۱۰)سلسلہ تعلیماتِ اِسلام ۷: حج اور عمرہ

(۱۱)تحریکی زندگی میں نظم وضبط اَز حسن محی الدین قادری (۱۲)اِسلام اور تحفظِ ماحولیات اَز حسین محی الدین قادری

خطابات شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

تحریک منہاج القرآن کے زیراہتمام 20ویں سالانہ اجتماعی اعتکاف میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے تصوف کی حقیقت پر ''حقائق تصوف اور طرائق معرفت'' اور اصلاح احوال کے متعدد موضوعات پر خطابات فرمائے۔ شیخ الاسلام کے یہ خطابات www.minhaj.tv پر براہ راست نشر کئے گئے۔ ان خطابات کا خلاصہ نذر قارئین ہے:

☆(21 رمضان المبارک): تصوف کیا ہے۔۔۔؟

اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: انک لعلیٰ خلق عظیم

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا: والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

یہ آیت کریمہ تصوف کا خلاصہ ہے اور تمام ائمہ تصوف نے اس کو تصوف کا نچوڑ قرار دیا۔ پہلی آیت سے حقائق تصوف آشکار ہورہے ہیں۔ اسی طرح دوسری آیت میں سبلنا (راستوں) کے لفظ سے طرائق معرفت واضح ہوئے اور اس سے معلوم ہوا کہ مولا کی رسائی تک پہنچنے کے لیے صرف ایک ہی راستہ نہیں بلکہ بہت سے راستے ہیں۔ انک لعلیٰ خلق عظیم کے ضمن میں سب سے بڑا چشمہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے پھوٹ رہا ہے مگر آج کے دور میں تصوف کے اصل concepts نظروں سے اوجھل ہوگئے ہیں۔ تصوف کا دعویٰ صرف اور صرف پیری مریدی رہ گیا ہے اور حقیقت تصوف کو فراموش کر دیا گیا۔

تصوف اخلاق کا نام ہے اور دین کے اعتبار سے سب سے زیادہ اچھا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے زیادہ اچھا ہے ۔ جس کے اخلاق بہترین وہ تصوف میں بہتر ہے ،وہی کامل صوفی ہے۔ اچھے اخلاق بہتر بنانے کا نام تصوف ہے۔ سلوک کا تعلق اخلاق کی بہتری ہے۔ تصوف مخلوق کے اخلاق کی درستگی ہے۔ بیوی بچوں، والدین، اعزاء واقارب، دوست احباب، پڑوسیوں، دشمنوں ،کافروں کے ساتھ بہتر معاملات اور اخلاق سے پیش آنا ہے۔ گویا تصوف تہذیب

اخلاق اور تحسین اخلاق ہے۔ یہی اولیاء کرام کی سند معرفت ہے اگر کسی کا اس سند کے قول وفعل میں تضاد ہو تو سمجھ لو وہ جعلساز ہے اس کے حوالے سے آنکھیں کھولنے کی ضرورت ہے۔

روز مرہ زندگی میں زرخیز زمین پر مختلف پھل، پودے اگائیں تو ساتھ گھاس پھوس، جڑی بوٹیاں، کانٹے اور جھاڑیاں اگ آتی ہیں اسی طرح نفس وقلب کی زرخیز زمین پر اچھے پودے (اخلاق حسنہ) کے ساتھ ساتھ زہریلے پودے (اخلاق رزیلہ) بھی اُگ آتے ہیں تو ان کو اکھاڑنا پڑتا ہے۔ لہذا سلوک وتصوف میں اخلاق کو اسی طرح سنوارا جائے کہ اخلاق رذیلہ کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ جب اخلاق رذیلہ کو ہٹا کر اخلاق حسنہ اور حمیدہ، بخل کی جگہ سخاء نفس، رعونت کی جگہ عاجزی، خود پسندی کی جگہ انکساری، کذب کی جگہ صدق، بے وفائی کی جگہ وفا شعاری، وعدہ خلافی کی جگہ ایفائے عہد، چہرے کی سختی چہرے کی ملائمت وملاطفت آئے تو اس مسافر کیلئے وصول الی اللہ (اللہ سے ملنے کی صلاحیت) کا راستہ کھل جاتا ہے۔ جب طبیعت اس طرح مزین ہو جائے، ظاہر و باطن میں نور روشن ہو جائے تو اس کیلئے وصال اور قرب کا راستہ کھول دیا جاتا ہے اور سالک منازل طے کرنے لگ جاتا ہے۔ صرف وظیفے کرنے، چلّے کاٹنے سے دل کی آنکھ نہیں کھلتی یہ تصور آج، جعلی پیروں اور عاملوں نے قائم کیا ہے۔ تعویز گنڈہ کرنے، قمیضوں کو ناپنا یہ تصوف نہیں بلکہ شعبدہ بازیاں ہیں۔ تصوف تو ہدایت کا راستہ ہے۔ اچھے کام کیلئے تعویز کرنا جائز مگر یہ عمل اصل تصوف اور اصل معرفت نہیں۔

ان گمراہ کن تصورات کی بناء پر مسلک اہلسنت والجماعت بدنام ہوا۔ تصوف کا پہلا دروازہ طریقہ شریعت ہے۔ شریعت، طریقت کا ماحصل ہے اس میں صوم وصلوۃ کی پابندی، زکوۃ کی ادائیگی، حرام وحلام کی تمیز لازمی ہے۔ پیغمبران کرام پر بھی شریعت کی پابندی لازمی تھی۔ جس طریقت کی اساس شریعت پر نہیں، وہ طریقت، ولایت اور تصوف نہیں۔ تابع بن کر اللہ کے کاموں میں لگ جانا شریعت ہے اور اللہ کی رضا کا طلبگار رہنا طریقت کہلاتا ہے۔ جو شخص تصوف کی اس اصل اور شریعت کے اصولوں کو چھوڑ کر نہایت یعنی طریقت تک پہنچنا چاہے، وہ صوفی نہیں ہے بلکہ وہ تصوف کی تعلیمات سے عاری ہے۔

☆(22 رمضان المبارک): سلوک الی اللہ میں احوال، مقامات اور کیفیات

اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

سیر الی اللہ اور سلوک الی اللہ میں احوال، مقامات اور کیفیات کی منازل آتی ہیں۔ ان میں کیفیت سب سے زیادہ ناپائیدار چیز ہوتی ہے۔ جیسے جگنو کی چمک۔ سالک میں بھی ابتداء میں جگنو کی طرح رنگ و کیفیات بدلتے رہتے ہیں۔ پہلے اس کے لیے ذوق کا دوراہ بند تھا، بعض اوقات ذوق پیدا ہوتا ہے۔ ذوق ایک قلبی روحانی کیفیت ہوتی ہے۔ جیسے حدیث کی روشنی میں ایمان کو ذائقہ کہا گیا۔ یہ کیفیت پیدا ہو تو عبادات میں ذوق آتا ہے۔ یہ کیفیات زیادہ دیر قائم رہیں تو تصور کی اصطلاح میں وہ صاحب حال ہے۔ اس میں تغیرات اور اونچ نیچ ہوتا ہے۔ اس کے بعد مقام ہے۔ سلوک کی راہ میں مقام حال کی طرح تغیر پذیر نہیں اور نہ ہی کیفیات کی طرح کم وقت کے لیے آتا ہے۔ جیسے انسان کی شخصیت میں پانی کی ٹھنڈک اثر دکھاتی ہے، اسی طرح اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب بندہ راضی ہو جائے تو رضا کے اثرات حلاوت ولذت کے طور پر انسان کو ملتے ہیں، جس سے کیفیت بنتی ہے۔ پھر جب وہ عبادت کرتا ہے اور کلام الٰہی کی تلاوت کرتا ہے تو اس کو کیفیات نصیب ہوتی ہیں۔

جب انسان پر کیفیت وارد ہوتی ہے تو پھر اس پر نور ٹپکتا ہے۔ کئی ایسے ہوتے ہیں، جن پر انوار کا ایک ایک قطرہ ٹپکتا ہے۔ ان میں سے کئی لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جن پر نور برستا ہے۔ ان میں سے بعض ایسے خوش نصیب ہیں، جن کا دل نور کی وجہ سے مالاء اعلیٰ بن جاتا ہے۔ یہ انسان کی کیفیات ہیں کیونکہ جب انسان میں صرف صحبت کا اثر ہو اور

اپنی ریاضت نہ ہو تو پھر اس کی شخصیت میں انوار و کیفیات کا اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے ۔ جب انسان اللہ کے تعلق میں مست رہے تو اس کو کوئی برا بھلا بھی کہتا رہے تو اس کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی ۔ کیونکہ جو لطف اس کو لوگوں کی تعریف اور مدحت سے ملنا تھا، اس سے کروڑہا درجے بہتر اللہ کی طرف سے ملتا ہے ۔ اس لیے ان کو لوگوں کی پرواہ نہیں ہوتی ۔

حضور غوث الاعظم، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیھم نے فرمایا کہ شریعت کے بغیر عمل کا دعویٰ باطل ہے ۔ شریعت کے بغیر دعویٰ طریقت کرنے والا شیطان اور دجال ہے ۔ بغیر عمل کے پیری کا دعویٰ کرنے والے دھوکے باز ہیں۔ اعمال صالح کے بغیر صرف نسبت سے بیڑا پار کرنے کا تصور اولیائے کرام کے ہاں نہیں تھا یہ تصور جاہلوں اور دنیا پرستوں کا ہے ۔ تصوف حسن اعمال، حسن احوال اور حسن اخلاق کا نام ہے جبکہ ہمارا معاشرہ حقیقت تصوف کو سمجھنے کے حوالے سے دو انتہاؤں پر کھڑا ہے ، ایک طرف تصوف کا کلیتاً انکار ہے جبکہ دوسری طرف اسکے نام پر کاروبار کیا جا رہا ہے ۔

صاحب حال وہ ہے جس پر کیفیت زیادہ دیر کیلئے رہے اور صاحب مقام کو اللہ کے انوار و تجلیات کی کیفیت میں دوام حاصل ہو جاتا ہے ۔ صاحب مقام ہونے سے پہلے سالک پر شیطان، نفس اور دنیا کا حملہ شدید تر ہو جاتا ہے ۔

علم نافع صاحب مقام کی حفاظت کرتا ہے ۔ آنے والے وقت میں علم نافع کے بغیر برتری کا کوئی تصور نہیں ہے ، اس لئے جاہل ملاؤں اور دنیا دار پیروں سے دامن بچا کر اہل علم اور حقیقی اللہ والوں کی صحبت اختیار کی جانی چاہیے تاکہ ایمان کی حفاظت کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی کا عمل جاری رہ سکے ۔

☆ (23 رمضان المبارک): مرید اور ارادت کیا ہے۔۔۔؟

تصوف کی اصطلاحات میں اصل حیثیت اور مقام شیخ کو حاصل ہے ۔ "شیخ" ہونا نہ کاروبار اور نہ ہی وراثت ہے بلکہ تصوف میں احسان، ایمان اور ایقان کے تقاضے پورے کرنے والا کوئی بھی شخص یہ مقام و مرتبہ حاصل کر سکتا ہے ۔ یہ ایسے ہی ہے کہ ایک سادہ آدمی تعلیم حاصل کرتے کرتے ڈاکٹر بن گیا۔ اسکالر اور سائنسدان بن گیا۔ محنت کرتے کرتے وہ بہت بڑا تاجر بن گیا۔ تصوف میں جو شخص بھی محنت سے ولایت کے تقاضے پورے کرے گا، وہ اس کو حاصل کر لے گا۔ شیخ ہونے کے لیے گدی نشین ہونا لازمی نہیں۔ بلکہ جس نے بھی شریعت و حقیقت اور طریقت کے تقاضے پورے کر لیے ، وہ شیخ بن گیا۔

مرید اور ارادت کے حوالے سے ہمارے ہاں ایک عجیب سا تصور رائج ہو گیا ہے ۔ مرید کا معنی ارادہ کرنے والا، تصوف کی اصطلاح میں مرید اس کو کہتے ہیں، جو اللہ کا ارادہ کرے اور جس کو اللہ چاہتا ہے وہ مراد ہوتا ہے ۔ تصوف میں جو شخص دنیا کی ساری غلاظتوں کو نکال کر صرف اللہ کا ارادہ کر لے تو اس کو مرید کہتے ہیں۔ جب بندہ آخرت اور جنت کا دھیان بھی خیال سے نکال دے تو پھر وہ مرید بنتا ہے ۔ یہ اس کا حقیقی معنی ہے ۔

حضور غوث الاعظم نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ میں نے لفظ "مرید" قرآن پاک سے اخذ کیا ہے ۔ شیخ کا مرید ہونا اس لیے مرید کہلاتا ہے کہ جو بندے کو دنیا کی مریدی سے نکال کر مولا کی مریدی کی طرف لے جائے ۔ جب تک بندہ اللہ کی محبت کا اس طرح ارادہ نہ کرے تو اس وقت تک وہ مرید نہیں ہو سکتا۔ دوسری جانب ہمارے ہاں یہ امتیاز بالکل ختم ہو گیا ہے کہ شیخ اللہ کی طرف جانے والا وسیلہ ہے ، مراد نہیں۔

یہ تصور بھی غلط ہے کہ بیعت میں ہاتھ میں ہاتھ دینا ضروری ہے ۔ تصوف میں ہر قدم اور ہر شے اللہ کے لیے ہوتی ہے ۔ بیعت ایک معاہدہ اور عہد ہے ، جو بندے اور اللہ کے درمیان ہے ۔ جسمانی طور پر یہ لازمی نہیں ہے ۔ یہ رائج

رسوم میں ایک رسم ہے جو جائز ہے لیکن ایسی کوئی بات شریعت میں نہیں۔ صحابہ کرام کے دور میں عرب میں ہاتھ دینا ایک کلچر تھا۔ جس طرح صحابہ نے بیعت رضوان کی، جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی ذکر کیا۔ اس طرح منیٰ کے میدان میں بیعت عقبیٰ ثانیہ، ثالثہ ہوئیں۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام کی مختلف بیعتیں ہیں۔ اس طرح سات، آٹھ قسموں کی بیعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ثابت ہیں۔ ان میں سے ہر بیعت مریدی اختیار کرنے کے لیے نہیں تھی لیکن یہ ایک عہد ہوتا تھا۔ لہٰذا اگر کوئی ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسا نہ کرے، یعنی ہاتھ میں ہاتھ نہ بھی دے تو وہ غلط نہیں ہے۔

شیخ کے لیے اجازت نہیں کہ وہ چل کر لوگوں کے پاس جائے اور لوگوں کو مرید بناتا پھرے۔ شیخ وہ ہے جس کے پاس مرید خود چل کر آئیں اور دس میں سے کسی ایک کو مرید بنائے اور باقی نو کو چھوڑ دے۔ انہیں اپنی مجلس میں فیض لینے کا کہے۔ جو زہد نہیں سکھاتا، وہ کون سا شیخ ہے۔ آج ہم نے ٹونے ٹوٹکے کا نام تصوف بنالیا ہے۔ اس شیخ کی صحبت اور مجلس جائز ہے، جو عالم ہو، زاہد ہو، ظاہر اور باطن میں کامل ہو۔ کیونکہ یہ شیخ کی ذمہ داری ہے، جب مرید اس کی ارادت میں آجائے تو اس کو سنتیں بھی سکھائے اور فرائض بھی سکھائے۔ الا ماشاء اللہ آج کے نام نہاد شیوخ کو تو نماز کی سنتیں، واجبات اور فرائض کا بھی علم نہیں رہا۔ مریدوں کی تلاش میں ملک ملک مارا مارا پھرنا، ایسے کسی تصوف کی اسلام میں گنجائش نہیں ہے۔

☆(24 رمضان المبارک): سلوک الی اللہ میں علم اور احکام شریعت کی اہمیت

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون

اللہ رب العزت کا قرب اور اس کا سالک بننے کا راستہ بڑا کٹھن ہے۔ طریقت کی منازل اور تصوف کی راہ کے خصائص حمیدہ علم، تمسک بالشریعہ اور تمسک باللہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ سلوک الی اللہ کا سفر مسلسل ہوتا ہے اگر ریاضت ومحنت اور مجاہدہ کے بعد حال نہ بدلے تو سفر نہ ہوگا۔ اس لیے اہل سلوک روزانہ اپنے حال پر غور وخوض کرتے ہیں۔ حال کے لیے ضروری ہے کہ حال میں تنزل نہ ہو۔ سالک، سلوک الی اللہ کے سفر کے لیے اپنے حال کی نگرانی رکھے۔ اہل اللہ ہر لحہ اپنے حال کی بہتری کا انتظام کرتے ہیں۔ یاد رکھ لیں کہ تصوف میں سلوک کا سفر اس وقت شروع نہیں ہوتا جب تک انسان اپنے حال سے باخبر نہ ہو۔ بیداری، روشنی ہے اور غفلت کی نیند اندھیرا ہے۔ جن لوگوں کے من میں اندھیرے کا راج رہتا ہے تو انہیں خبر ہی نہیں ان کے من میں کیا کیا غلاظتیں اور خرابیاں ہیں، جنہوں نے انسان کو اندھیرے میں گھیرا ہوا ہے۔ ہجرت الی اللہ کے دس مراحل بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ جہل وغفلت سے علم وانتباہ کی طرف ہجرت   ۲۔ علم وانتباہ سے توبہ کی طرف ہجرت
۳۔ توبہ سے طہارت کی طرف ہجرت   ۴۔ طہارت سے اطاعت کی طرف ہجرت
۵۔ طہارت سے استقامت کی طرف ہجرت   ۶۔ استقامت سے ریاضت کی ہجرت
۷۔ ریاضت سے معرفت کی طرف ہجرت   ۸۔ معرفت سے محبت کی طرف ہجرت
۹۔ محبت سے قربت کی طرف ہجرت   ۱۰۔ قربت سے وصال کی طرف ہجرت

تصوف میں ان لوگوں کو کذاب کہا گیا ہے، جو سلوک کا تصوف بغیر علم کے طے کرنے کا کہتے ہیں۔ جو لوگ طریقت میں علم کو پس پشت ڈال کر محض طریقت اور تصوف کی بات کرتے ہیں تو وہ جھوٹ بولتے اور دین کو جھٹلاتے ہیں۔ آقا علیہ السلام نے دین میں فہم حاصل کرنے کو سب سے بڑی عبادت قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف سے ایک ہزار عابد اور عبادت گزار ہوں مگر علم سے خالی ہوں تو ان سے ایک فقیہ، جس کو اللہ نے علم دیا تو وہ ان ہزار عابدین

سے افضل ہے ۔ کیونکہ بغیر علم کے شیطان ان عبادت گزاروں کو ہلاکت میں ڈال سکتا ہے۔

آج جن لوگوں کے پاس نہ علم ہے اور نہ عمل، وہ نہ سالک، نہ فقیر اور نہ پیر ہیں، ان کا تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں، بلکہ ایسے لوگوں کی صحبت اور مجلس میں بیٹھنا ہلاکت اور بربادی ہے ۔ بدقسمتی یہ ہے کہ آج ہم تصوف کو علم سے بالکل جدا سمجھنے لگ گئے ہیں۔ تصوف کو بدعت کہنا بدبختی ہے کیونکہ تصوف تو روح قرآن ہے، روح سنت رسول ہے، یہ روح صحابہ ہے ۔ تصوف وہ نور ہے جو پردے اٹھا دیتا ہے، اس نور کا نام تصوف وطریقت ہے ۔ جو نور انسان کو تاریکی سے نکال کر روشنی دیتا ہے، اس کا نام تصوف ہے ۔ یہ انسان کے اندر گندگی کو ختم کر کے نور کی روشنی پیدا کرتا ہے ۔ سب ائمہ نے تصوف کے ذریعے ہی لوگوں کو عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عشق خدا کے جام پلائے ۔ اس لیے تصوف کو خارجی چیز، ہندوستانی یا ایرانی پودا سمجھنا بذاتِ خود بدعت ہے ۔

☆(26 رمضان المبارک): خلق عظیم

تصوف اخلاص نیت، علم نافع، عمل صالح اور حسن اخلاق کا مجموعہ ہے ۔ تصوف میں مختلف مقامات ہیں۔ احوال سے اعمال جنم لیتے ہیں، اعمال سے علم صحیح ملتا ہے، اور اگر علم لوجہ اللہ ہو تو یہ علم نافع بنتا ہے ۔

بدقسمتی سے آج ہم نے تصوف کے نام کو رسوم اور اصطلاحات کا مجموعہ بنا دیا ہے ۔ لوگ بھول گئے کہ تصوف کی روح کیا ہے ۔ روح اور دل کو روحانی لذت سے آشنا کرنا اصل تصوف ہے ۔ تصوف میں صوفی وہ ہے جو اخلاق اور رحمت کا منبع ہو۔ جس کا دل نرم ہو، جس کا کلام نرم ہو اور جس کی شخصیت نرم ہو۔

تصوف میں صوفیاء کی تواضع کا عالم یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مجلس میں کبھی بھی کسی غیر مسلم کو نہیں نکالتے ۔ صوفی پانی کی مانند ہوتا ہے، جو بھی اسے پیے، وہ ہر ایک کو سیراب کرتا ہے اور ٹھنڈک بھی پہنچاتا ہے ۔ حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ تصوف اللہ کے اعلیٰ اخلاق کا نام ہے۔ جس شخص میں انبیاء علیھم السلام کے اخلاق پائے جائیں، اسے صوفی کہتے ہیں۔ جس شخص کا دل ہر قسم کی کدورت سے پاک ہو جائے اور وہ اللہ کی مخلوق سے اخلاق حسنہ سے پیش آئے، صوفی ہے ۔ بندہ کا ہر اچھے خلق میں داخل ہو جانا اور برے خلق سے نکل جانا تصوف ہے ۔

سلوک الی اللہ کی طرف بڑھنے کے لیے اللہ کی قربت اور معرفت کو حاصل کرنا ہے ۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ بہت سے ابدال اور اولیاء کو جنت میں اونچے مقامات اور درجات ملیں گے، وہ انہیں نماز، روزہ اور عبادات کی وجہ سے نہیں، بلکہ انکے جود وسخا کی وجہ سے یہ مقام عطا کیے جائیں گے ۔ ایسے لوگ کسی کے لیے باعث اذیت نہیں ہوتے بلکہ یہ مخلوق کے لیے رحمت بن جاتے ہیں، بس ایسے لوگوں پر اللہ اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے ۔

سلوک وتصوف کی راہ میں انسان اس وقت تک پختہ نہیں ہوتا، جب تک اس کی بنیاد مضبوط نہ ہو۔ سلوک و تصوف کی راہ میں بنیادیں جتنی مضبوط ہوں گی اوپر کی منزلیں بھی اتنی ہی مضبوط بنتی چلی جائیں گی۔ ورنہ وہ آگے جا کر دھڑام سے نیچے گر جائے گا۔ مضبوط بنیاد ہونے پر انسان کو پتہ چلتا ہے کہ کیفیات کے بعد حال تک کیسے جانا ہے ۔ پھر نفس کے حملوں سے کیسے بچنا ہے ۔ نفس امارہ کے حملوں سے کیسے بچنا ہے ۔ نفس کی پہچان ہوگی تو حملے کی پہچان ہوگی۔

اس پورے سفر کو طے کرنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری ''علم'' ہے ۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف میں جہالت کے ساتھ ان کا کام چل جائے گا تو وہ بہکاوے، گمراہی اور مغالطے میں ہیں۔ علم صحیح اور علم نافع کے بغیر کوئی تصوف نہیں ہے ۔ روحانی علم کے بغیر نہ مرض کی تشخیص ہوتی ہے اور نہ علاج۔

سالانہ عالمی روحانی اجتماع (لیلۃ القدر) 2011ء

تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام لیلۃ القدر کا عالمی روحانی اجتماع منعقد ہوا۔ روحانی اجتماع میں شہر اعتکاف کے ہزاروں معتکفین و معتکفات کے علاوہ لاکھوں عشاقان مصطفیٰ مرد و خواتین نے شرکت کی۔

پروگرام میں امیر تحریک منہاج القرآن محترم صاحبزادہ مسکین فیض الرحمٰن درانی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ بھیرہ شریف محترم حضرت صاحبزادہ امین الحسنات شاہ صاحب سمیت دیگر علماء و مشائخ نے خصوصی شرکت کی۔ علاوہ ازیں تحریک کے تمام مرکزی قائدین بھی پروگرام میں موجود تھے۔

پروگرام میں تلاوت قرآن پاک کی سعادت قاری اللہ بخش نقشبندی نے حاصل کی۔ نعت خواں حضرات میں حسان منہاج محمد افضل نوشاہی، منہاج نعت کونسل ظہیر بلالی برادران اور امجد بلالی برادران، عنصر علی قادری اور شہزاد برادران کے علاوہ دیگر ثناء خواں حضرات نے آقا علیہ السلام کی بارگاہ میں ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ محترم علامہ غلام مرتضیٰ علوی نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی نئی کتب کا تعارف پیش کیا۔ محترم صاحبزادہ علامہ ظہیر احمد نقشبندی نے منہاج ویلفیئر فاونڈیشن کے پلیٹ فارم سے تحریک منہاج القرآن کی فلاحی خدمات اور بالخصوص "آغوش" کا تعارف پیش کیا۔

ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن ڈاکٹر رحیق احمد عباسی نے استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہم اعتکاف میں روایتی رسم ادا کرنے نہیں آئے بلکہ یہ اعتکاف پاکستان میں سلامتی و ترقی کے لیے ہے۔ جس میں ہم اپنے گناہوں کی معافی مانگنے آئے ہیں، ملک پاکستان اور عالم اسلام کی ترقی و سلامتی کی دعائیں مانگنے آئے ہیں۔ شہر اعتکاف دور پرفتن میں امن کا پیغام ہے۔ جس میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری مرد قلندر بن کر امت کو عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جام پلا رہے ہیں۔ جو اعتکاف کے روحانی ماحول میں دنیا کو بیداری شعور کا پیغام دے رہے ہیں۔ جو اپنے خطابات سے دنیا میں دہشت گردی کے خاتمے کی بات کر رہے ہیں۔ شیخ الاسلام نے ساری دنیا کو بتایا کہ اسلام دہشت گردی، تنگ نظری اور انتہاء پسندی کا نام نہیں بلکہ یہ امن کا دین ہے۔ تحریک منہاج القرآن کی 30 سالہ جدوجہد تاریخ ساز ہے۔ جس کو مزید تاریخی بنانا ہے۔ آج اس روحانی اجتماع میں ہمیں یہ عہد کرنا ہوگا کہ ہم جہاں جائیں گے، لوگوں کے لیے امن کا پیغام، نفع کا پیغام اور سہولت کا پیغام لے کر جائیں گے۔

سجادہ نشین آستانہ عالیہ بھیرہ شریف حضرت صاحبزادہ پیر امین الحسنات شاہ صاحب نے عالمی روحانی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ شہر اعتکاف وہ بستی ہے، جس کے ذریعے روحوں کا گدلا پن دور کیا جا رہا ہے۔ یہ شیخ الاسلام کی محبت ہے کہ مجھے اس مبارک اجتماع میں شرکت اور شیخ الاسلام کے کلمات سننے کا خصوصی موقع ملتا ہے۔ آج لیلۃ القدر ہے، جس میں قرآن نازل ہوا۔ اس مبارک رات کے صدقے ہم شہر اعتکاف میں اللہ کی رحمتوں کا نزول دیکھ رہے ہیں۔ جس سے اپنا دامن بھر رہے ہیں۔ آج کی رات ہمیں اپنی آنکھوں میں شرمندگی کے آنسو سجانے ہیں۔ ہمیں اللہ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگنا ہے۔ میں تحریک منہاج القرآن اور اس مصطفوی مشن کی ترقی کے لیے دعا گو ہوں۔

خطاب شیخ الاسلام: تصوف اخلاق حسنہ کا نام ہے

تمام صوفیاء کا تصوف کی تعریف کے باب میں اس بات پر اتفاق ہے کہ تصوف درج ذیل بنیادی خصلتوں کو اپنے اندر جمع کر لینے کا نام ہے۔ جو شخص ان خصلتوں کو جمع کر لے وہ باکمال صوفی کہلانے کا حقدار ہے۔

۱۔سخاوت ۲۔رضاء الٰہی ۳۔صبر ۴۔خاموشی ۵۔بے رغبتی ۶۔ہجرت ۷۔فقر

اس دنیا میں حسد، غیبت، عناد، دنیا کا حرص، لالچ، بغض، عداوت اور دنیا جمع کرنے کی آگ لگی ہے۔ تصوف نفس اور حرص و ہوس کو توڑ کر آزاد ہو جانے کا نام ہے۔ اوائل دور میں جب لوگوں میں روحانیت تھی، اس وقت تصوف کا نام کم تھا لیکن تصوف کی حقیقت بہت عروج پر تھی۔ آج تصوف کا نام رہ گیا لیکن حقیقت غائب ہوگئی۔ اس وقت جس اہل اللہ کو دیکھتے تو اس کے ظاہر و باطن کے احوال تصوف کے ساتھ ہوتے، اب حالت یہ ہے کہ تصوف صرف موضوع رہ گیا، باقی تفصیل چلی گئی۔

آج ہم ظلم کی اس انتہا پر پہنچ چکے ہیں کہ اہل کو نااہل اور نااہل کو اہل بنا دیا گیا، جس کی وجہ سے ہم پر اللہ کا عذاب نازل ہو رہا ہے۔ اسلام کی قدروں کو بھی نقصان پہنچ رہا ہے۔ آج حکمرانوں کو دین مصطفیٰ کی بجائے صرف اپنی کرسی کی فکر ہے۔ اس میں قصوروار وہ لوگ ہیں، جنہوں نے نااہل لوگوں کو اپنا حکمران بنا لیا ہے۔

تصوف 8 اصولوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے درج ذیل 4 اصولوں کو اپنانا ضروری ہے:

۱۔صبر ۲۔عفت ۳۔شجاعت ۴۔عدل

جبکہ ان 4 چیزوں کو ترک کرنے کا حکم ہے: ۱۔جہالت ۲۔ظلم ۳۔شہوت ۴۔کبر

حسن خلق کے تین درجات ہیں: ۱۔مخلوق کے مقام اور حقوق کو پہچاننا ۲۔اللہ کے ساتھ حسن ادب سے پیش آنا
۳۔لوگوں کی زیادتیوں اور برے سلوک کو فراموش کر دینا

آج کا المیہ ہے کہ قوم نے شر پسند، کرپٹ اور گمراہوں کو عزت کے مناصب پر بٹھا دیا ہے۔ عدل کرنے کی ذمہ داری پر فائز ظالم بن چکے اور دوسروں کے حق کو کھا جانا، ان کی عزت کو کھلونا بنانا ان کا مشغلہ بن چکا ہے۔ افسوس جن کے ذمہ ملک و ملت کی جان، مال اور عزت کی ذمہ داری تھی وہ لٹیرے بن چکے ہیں۔ ملک میں دہشت گردی کا راج ہے۔ ایک دوسرے کے گلے کاٹنے کا عمل روز کا معمول بن چکا، خدا کا خوف دلوں سے ہجرت کر گیا۔

تصوف رسوم اور علوم کا نہیں حسن خلق کا نام ہے اور سرتاپا سراپا اخلاق ہونے کا نام ہے۔ تصوف حسن عبادات کا نہیں حسن معاملات کا نام ہے۔ لوگوں کے ساتھ معاملات درست کر لیے جائیں تو اللہ عبادات کی توفیق بھی دے دیتا ہے۔ تصوف علم صحیح کے ساتھ ہو تو زاویہ نگاہ بدل دیتا ہے مگر افسوس! آج تصوف کا دعویٰ تو ہے مگر عمل نہیں۔ تصوف اپنے حقوق قربان کر کے دوسروں کو حقوق دلانے کا نام ہے۔ تصوف صبر، محنت، شجاعت اور عدل کے رویوں کو اپنانے اور جہالت، ظلم، شہوت اور غضب کے رویوں سے آزاد ہونے کا نام ہے۔

آج جہالت کے خلاف جنگ کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لیے علم نافع حاصل کرنا ہوگا، علم کے حصول کے بغیر ہمارا کوئی مستقبل نہ ہوگا، خود احتسابی کے رویوں کو پروان چڑھانا ہوگا تاکہ مثبت قدریں پروان چڑھیں اور ہمارا معاشرہ منفی رویوں سے پاک ہو سکے۔

خطاب کے بعد شیخ الاسلام نے ملکی سلامتی، استحکام اور امت مسلمہ کے احوال کی درستگی کے لیے رقت آمیز دعا کرائی۔ پروگرام کی تمام کارروائی اے آر وائی کیو ٹی وی Qtv اور www.Minhaj.tv نے شہر اعتکاف سے براہ راست نشر کی جبکہ اس شب کی خصوصی دعا Geo TV، دنیا ٹی وی، City 42، سماء، ٹی وی اور دیگر ٹی وی چینلز پر بھی نشر کی گئی۔

☆(28 رمضان المبارک): حسنِ ادب

تصوف سارا حسن ادب ہے۔ ادب حسن معاملہ کا نام ہے۔ ہر ایک کے ساتھ بندے کا کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے۔ بندے کا اللہ سے عبدیت کا تعلق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امتی کا تعلق ہے۔ صحابہ کرام سے ہمارا ایک پیروکار کا تعلق ہے۔ اولیاء کرام، مشائخ عظام سے ہمارا ایک تعلق ہے۔ الغرض خالق سے لے کر مخلوق تک جس سے بھی

ہمارا تعلق ہے، اس کو اگر جملہ حقوق کے ساتھ بطریق احسن ادا کیا جائے تو یہ ادب کہلاتا ہے۔ الغرض جو بھی شخص ہو، اس کے دوسرے پر حقوق ہیں، ان حقوق کو بطریق احسن ادا کرنا تصوف میں ادب کہلاتا ہے۔ اب وہ ادب حسین و جمیل ہو جائے تو یہ تعلق تصوف کہلاتا ہے۔

جن علوم سے اعمال و احوال سنور سکیں اور اللہ کی معرفت مل سکے، ان علوم کو پڑھنا ہمارے زمانے میں جہالت تصور ہونے لگا۔ اس لیے کہ جو آدمی جتنا باتونی ہے، وہی عالم تصور ہونے لگا ہے۔ جسے بات کو سنوار کے کرنے کا طریقہ آ گیا، وہ عالم سمجھا جانے لگا۔ ایسے باتونی اور نام نہاد عالم لوگوں سے فتنہ و فساد پیدا ہوا۔ کیونکہ عوام کو یہ خبر ہی نہیں رہی کہ علم کیا ہے۔ آج لوگ جھوٹ کو سچ سمجھنے، بدی کو نیکی سمجھنے، گھٹیا کو اعلیٰ سمجھنے اور ناقص کو اعلیٰ سمجھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ یہ علم سے تعلق توڑنے کی وجہ سے ہے۔ اس کے تدارک کے لئے لوگوں کو علم کے حوالے سے آج بارہ، چودہ سو سال پیچھے لے جانا پڑے گا۔ ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ان لوگوں کو عالم سمجھا جائے جو سلف صالحین کے طریق اور اسوہ پر ہیں۔ اس لیے آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم اصلاح چاہو گے تو تم کو پھر میرے زمانے کی طرف لوٹ کر آنا ہوگا، ان کیف و سرور اور احوال کی طرف پھر لوٹنا ہوگا۔

ادب اور حسن ادب میں فرق ہے۔ ادب ہر ایک کے ساتھ ہے، اس کے حقوق سمجھ کر ادا کرنا ادب ہے۔ لیکن ان حقوق کو احسن طریقے سے ادا کرنا حسن ادب ہے۔ حسن سلوک کے حوالے سے ہمارے تصور انتہائی بگڑ چکے ہیں۔ بیوی بچوں کے ساتھ حسن سلوک نہ کرنا کفرانہ زندگی ہے۔ عید کے روز اور بقیہ ایام میں بیوی بچوں کو جو خرچ کرنے کو دیتے ہو، تو وہ بھی صدقہ ہے۔ یہ ہمارا تصور ہی نہیں ہے۔ ہمارا تصور ہے کہ اگر خرچہ زیادہ دیں تو یہ بگڑ جائیں گی۔ ہمارا تصور رسوم و رواج پر ہے، دین پر تصور رہا ہی نہیں۔

حدیث مبارکہ کے مطابق حسن ادب یہ ہے کہ اگر اغنیاء، مالداروں سے ملو تو اکڑ کر ملو۔ ان سے اکڑ کے ملنا عبادت ہے۔ غریبوں کے ساتھ ملو تو عاجزی سے ملو۔ لیکن بدقسمتی سے آج ہمارا طریقہ کار الٹ ہو چکا ہے۔ ہم غریبوں کو دھتکارتے اور امراء کے در پر جا کر جھکتے ہیں۔

اگر بندہ پوری زندگی اطاعت و عبادت اختیار کر لے تو یہ بندے کو جنت تک لے جاتی ہے۔ لیکن اگر بندہ عبادت اور اطاعت میں ادب کو داخل کر لے تو یہ اسے جنت والے تک لے جاتی ہے۔

لوگو! آج ہمیں زندگی میں ادب پیدا کر کے اسے حسن ادب میں تبدیل کرنا ہوگا تاکہ ہم دین کی گرتی قدروں کو پھر سے بحال کرنے میں اپنا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ کیونکہ بازار اصلاح بند ہو رہا ہے، تھوڑا وقت رہ گیا ہے، جس نے نیکی کی خریداری کرنی ہے تو وہ جلدی کر لے تاکہ کل قیامت کو وہ اس کے کام آئے۔

☆ (29 رمضان المبارک): الادب مع الرسول ﷺ

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا: اے ایمان والو! (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے) رَاعِنَا مت کہا کرو بلکہ (ادب سے) اُنْظُرْنَا (ہماری طرف نظرِ کرم فرمائیے) کہا کرو اور (ان کا ارشاد) بغور سنتے رہا کرو، اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے o

اس آیت میں ادب رسول کی پہلی شرط رکھی گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پکارتے وقت ایسے لفظ بھی استعمال نہ کریں جس معنی میں بے ادبی کا شائبہ بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے گوارا نہ کیا کہ کوئی ایسا لفظ بھی بولو، جس سے ادب رسالت میں کوئی گستاخی کا پہلو نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو یہ کمال ادب سکھایا۔ اسی طرح قرآن پاک میں بعض مقامات

ایسے بھی آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب کفار ومشرکین کو اپنا مخاطب بنایا تو انہیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب سکھایا۔ صحابہ کرام سے پیار بھی ادب مع الرسول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہل بیت سے محبت کرنا بھی ادب مع الرسول ہے۔ طبرانی شریف میں حدیث ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ

جس نے میرے صحابہ کو گالی دی تو اس کو میرا قرب نصیب نہیں ہوگا اور وہ میرے پاس حوض کوثر پر نہیں آ سکے گا۔

امام مالک نے فتویٰ دیا کہ جو شخص مدینہ کی مٹی کو بے کار کہے تو اس کو 30 کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

متفق علیہ حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم نے فرمایا کہ باری تعالیٰ مدینہ کی محبت کو مکہ کی محبت سے دوگنا کر دے۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: جب قیامت کا دن قریب آئے گا تو ایمان سمٹتا سمٹتا مدینہ آ جائے گا۔

آقا علیہ السلام نے واضح طور پر فرما دیا کہ کوئی شخص اس وقت مومن نہیں ہوسکتا، جب تک اس کی خواہشات میرے تابع نہ ہو جائیں۔

میری بندگی بھی عجیب ہے، میری زندگی بھی عجیب ہے جہاں مل گیا تیرا نقش پاء، وہاں میں نے کعبہ بنا لیا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب دین میں فساد کا زمانہ آ جائے تو اس وقت جو میری سنت سے چمٹ جائے گا تو اس کو 100 شہداء کا درجہ ملے گا۔

آج کا دور فساد اور فتنہ کا دور ہے۔ آج اپنی خواہشات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع کر دینا ہی اصل دین ہے۔ وہ کیسے عاشق ہیں کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن آقا علیہ السلام کی سنت پر عمل نہیں کرتے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی شخص عملی طور پر میری سنت کے ساتھ وابستگی اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس عمل کی وجہ سے جنت میں داخل کر دے گا۔

جب میرے دین کی قدرو منزلت کم ہونے لگے، جب میرا دین نظر انداز ہونے لگے تو اس زمانے میں جس نے اپنے علم وعمل سے میری سنت کو زندہ کیا، گویا اس نے مجھے زندہ کیا۔ جس نے مجھے زندہ کیا تو وہ جنت میں میرے ساتھ ٹھہرے گا۔

جب کسی کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ساتھ تعلق قائم ہو جاتا ہے تو پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر سب کچھ لٹا دیتے ہیں۔ جب تعلق عشق کا پیدا ہو جاتا ہے تو پھر کوئی شے محبوب سے بالا نہیں لگتی۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا داؤد علیہ السلام کو وحی کی کہ مجھ سے محبت کیا کر۔ اور میرے محبوب بندوں سے محبت کیا کرو، اور میرے بندوں کے دلوں میں میری محبت ڈالا کر۔ اور میرے عام بندوں کو میری محبت سکھا۔ سیدنا داؤد علیہ السلام نے عرض کیا باری تعالیٰ میں تو تجھ سے محبت کرتا ہوں، جو تیرے بندے ہیں، ان سے بھی محبت کرتا ہوں لیکن باری تعالیٰ تیرے بندوں کو تیرا عاشق کیسے بناؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری پیاری باتیں ان سے کیا کر۔ محبت بھرے انداز میں میرا ذکر ان سے کیا کر، محبت بھری باتیں سنتے سنتے وہ محبت کرنے لگ جائیں گے۔

ادب کا سب سے پہلا تقاضا محبت سے شروع ہوتا ہے۔ لوگو! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں ڈھل جاؤ، اسی میں نجات ہے۔ اسی میں دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔

قارئین متوجہ ہوں! بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر ماہ اکتوبر 2011ء میں تحریک کی 30 سالہ خدمات پر مشتمل ماہنامہ منہاج القرآن کے خصوصی نمبر کی اشاعت کا فیصلہ مؤخر کر دیا گیا ہے۔ آئندہ اشاعت کے متعلق شمارہ ہذا کے ذریعہ آگاہ کر دیا جائے گا۔ (ادارہ)

کامیاب لوگوں کی خصوصی عادات

زندگی کا حقیقی نصب العین

شفاقت علی شیخ ☆

قسط:8

قارئین کے پسندیدہ اس سلسلہ وار مضمون میں امریکن رائٹر ''سٹیفن آرکووے'' کی تحریر Seven Habits of highly efective people کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں بیان کیا جارہا ہے۔ کامیاب لوگوں کی خصوصی عادات میں سے پہلی عادت ''ذمہ داری قبول کرنا'' کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ماہنامہ منہاج القرآن ماہ جنوری، فروری، اپریل اور جون 2011ء کے شماروں میں شائع کیا گیا۔ کامیاب لوگوں کی دوسری عادت ''انجام پر نظر رکھنا'' کا پہلا اور دوسرا حصہ جولائی تا ستمبر کے شمارہ میں ملاحظہ کر چکے ہیں جس میں معمولات زندگی میں اعتدال و توازن، درست سمت اور ترجیحات کا تعین، اعمال و نتائج، بے مقصدیت کے نقصانات، ذہنی منصوبہ بندی کی اہمیت، انسانی شخصیت کی تشکیل، عروج کا منہاج، باطنی افکار و خیالات کا تجزیہ، زندگی کے عناصر اربعہ (تحفظ، رہنمائی، بصیرت، طاقت)، ان عناصر اربعہ کے درجات و اثرات اور زندگی کے عمومی مراکز کے انسانی شخصیات پر اثرات کو بیان کیا گیا۔ اسی مضمون کا اگلا حصہ نذرِ قارئین ہے:

انسانی زندگی کو اپنے استحکام اور مضبوطی کے لیے کسی ایسے مرکز کی ضرورت ہے جو ایک طرف اتنا جامع اور ہمہ گیر ہو کہ زندگی کی جملہ جہتوں پر بھرپور انداز میں اثر انداز ہوسکتا ہو اور اُن میں توازن و ہم آہنگی کی ضمانت فراہم کرتا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اتنا ٹھوس، پائیدار اور ناقابلِ تغیر ہو کہ زندگی کے نشیب و فراز میں انسان کو قائم اور برقرار رکھ سکتا ہو اور زندگی کے ہر مرحلے میں انسان کو ایک مضبوط سہارا فراہم کر سکتا ہو۔ ایسا مرکز اس پوری کائنات میں صرف اور صرف ایک ہے اور اُس کا نام ہے!

اللہ جل جلالہ

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور علیہ السلام تک جتنے بھی انبیائے کرام آئے، اُن پر جو بھی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے نیز اُن انبیائے کرام کی اپنی تعلیمات کا مرکزی نکتہ یہی رہا ہے کہ اللہ رب العزت کو زندگی کا مرکز اور نصب العین بنا لیا جائے۔ یہی وہ مرکز ہے جس کو پا کر زندگی سود و زیاں کے اندیشوں سے بہت بلند ہوجاتی ہے اور حوادثاتِ زمانہ کے تھپیڑوں میں پہاڑوں اور چٹانوں کی مانند ثابت قدمی اور استقامت کا پیکر بن جاتی ہے۔

وہ کلمہ طیبہ جسے پڑھ کر ایک شخص دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے اُس کا پہلا حصہ لا الہ الا اللہ ہے جس کا ترجمہ عام طور پر ان الفاظ سے کیا جاتا ہے۔ ''کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے'' لیکن مولانا جعفر شاہ

☆ shafaqatalisheikh@yahoo.com

پھلواری کے بقول لفظ ’’الٰــہ‘‘ کا ترجمہ ’’معبود‘‘ سے کرنا اس لفظ کو محدود کرنے کے مترادف ہے۔ اُنھوں نے دلائل و براہین کی روشنی میں بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس لفظ کا حقیقی ترجمہ ’’نصب العین‘‘ بنتا ہے۔ چنانچہ لا الٰہ الا اللہ کا معنیٰ ہوگا۔ ’’نہیں ہے کوئی نصب العین مگر اللہ‘‘۔ یہی وہ معنٰی ہے جو زندگی کی جملہ جہتوں کا احاطہ کرتا ہے۔ ویسے بھی اہلِ تصوف کے بقول عوام کے نزدیک لا الہ الا اللہ کا ترجمہ ہے ’’نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ‘‘ لیکن خواص جب یہی کلمہ پڑھتے ہیں تو وہ اس کا مفہوم لیتے ہیں **لا مطلوب الا اللہ** ’’نہیں ہے کوئی مطلوب سوائے اللہ کے‘‘ اور اخص الخواص جب یہی کلمہ پڑھتے ہیں تو اُن کے ذہن میں یہ مفہوم ہوتا ہے **لا موجود الا اللہ** ’’نہیں ہے کوئی موجود سوائے اللہ کے‘‘ گویا عوام اس کلمہ کے ذریعے اللہ کے علاوہ کسی اور کے معبود ہونے کی نفی کرتے ہیں مگر خواص (اولیائے کرام) اسی کلمہ کے ذریعے اللہ کے علاوہ کسی اور ہستی کے مطلوب و مقصود ہونے کی نفی کرتے ہیں جب کہ اخص الخواص (کاملین و مقربین) اسی کلمہ کے ذریعے اللہ کے علاوہ ساری کائنات میں ہر وجود کی نفی کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم کی روشنی میں

آیئے اب قرآنِ مجید سے پوچھتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں کیا کہتا ہے؟

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَھُمْ کَحُبِّ اللّٰہِ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ. (البقرہ: ۱۶۵)

’’اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ کے غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں اور ان سے ’’اللہ سے محبت‘‘ جیسی محبت کرتے ہیں، اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ (ہر ایک سے بڑھ کر) اللہ سے بہت ہی زیادہ محبت کرتے ہیں‘‘۔

یہاں افراد کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔

ا۔ وہ لوگ جو زندگی کا مرکز اللہ کے علاوہ اوروں کو بنا لیتے ہیں۔

۲۔ وہ لوگ جن کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ اللہ سے ٹوٹ ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر اُن کی زندگی کا مرکز و محور اللہ ہوا کرتا ہے۔

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ؕ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ. (التوبہ: ۲۴)

’’(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیں: اگر تمہارے باپ (دادا) اور تمہارے بیٹے (بیٹیاں) اور تمہارے بھائی (بہنیں) اور تمہاری بیویاں اور تمہارے (دیگر) رشتہ دار اور تمہارے اموال جو تم نے (محنت سے) کمائے اور تجارت و کاروبار جس کے نقصان سے تم ڈرتے رہتے ہو اور وہ مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو، تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکمِ (عذاب) لے آئے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں فرماتا‘‘۔

اس آیت میں اہلِ ایمان کو تنبیہ (warning) کی گئی ہے کہ اگر اُنھوں نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نیز اللہ کی راہ میں جدوجہد کرنے کے مقابلے میں کسی بھی اور رشتے ناطے یا دنیوی متاع کو اپنا مطلوب و محبوب بنا لیا تو اُنہیں اللہ کے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا اور اُن کا شمار نافرمانوں میں کیا جائے گا۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّھَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ

الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَاللّٰہُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ. (آل عمران: ۱۴)

”لوگوں کے لیے ان خواہشات کی محبت (خوب) آراستہ کر دی گئی ہے (جن میں) عورتیں اور اولاد اور سونے اور چاندی کے جمع کیے ہوئے خزانے اور نشان کیے ہوئے خوبصورت گھوڑے اور مویشی اور کھیتی (شامل ہیں)، یہ (سب) دنیوی زندگی کا سامان ہے، اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانا ہے“۔

یہاں بھی اللہ کے علاوہ چند اور مراکزِ حیات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ بلا شبہ ان کی طرف رغبت و میلان انسانی فطرت کا حصہ ہے لیکن یہ چیزیں مرکزِ حیات بنائے جانے کے قابل نہیں ہیں کیونکہ یہ بہرحال دنیوی زندگی کا سازو سامان ہی ہے اور دنیا خود دھوکے کا سامان ہے اس کے مقابلے میں جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ان سب سے بہت بہتر ہے۔ مطلب یہی ہے کہ ان میں سے کسی بھی چیز، تعلق یا رشتے ناطے کو زندگی کا مرکزو محور نہیں بنانا چاہیے۔ ان سب کے مقابلے میں اللہ کی ذات ہی اس قابل ہے کہ اُسے اپنی تمام محبتوں، رغبتوں، چاہتوں اور ارمانوں کا مرکز بنایا جائے۔ قرآنِ مجید نے اُمتِ مسلمہ کو ملتِ ابراھیمی قرار دیتے ہوئے حضرت ابراھیمؑ کی زندگی کو بھی ہمارے لیے ایک نمونہ قرار دیا ہے۔ دوسری طرف قرآنِ مجید نے حضرت ابراھیمؑ کے عقیدے کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ (الانعام: ۷۹)

”بے شک میں نے اپنا رُخ (ہر سمت سے ہٹا کر) یکسوئی سے اس (ذات) کی طرف پھیر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو بے مثال پیدا فرمایا ہے اور (جان لو کہ) میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں“۔

مندرجہ بالا آیت میں حضرت ابراھیمؑ کتنے خوبصورت الفاظ میں اللہ کے سوا ہر غیر کی نفی کرتے ہوئے اپنے تمام تر خلوص اور وفاداریوں کا مرکز و محور فقط اللہ کی ذات کو بنا رہے ہیں۔ اس کو خدا رُخی زندگی کہتے ہیں کہ ہر غیر کی طرف سے توجہ ہٹا کر اللہ کو اپنی توجہات کا مرکز بنا لینا۔ اسی کی تعلیم حضور ﷺ کو دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ .(الانعام: ۱۶۲)

”فرما دیجیے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج اور قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے“۔

مندرجہ بالا آیت میں لفظ ”صلوٰۃ“ تمام بدنی عبادات کی نمائندگی کرتا ہے جب کہ لفظ ”نسک“ سے تمام مالی عبادات مراد ہیں اور ”حیات اور ممات“ کے دو الفاظ سے زندگی کی جملہ حرکات وسکنات مراد ہیں۔ یہ آیتِ کریمہ بندۂ مومن کو زندگی کا جو نصب العین دے رہی ہے وہ یہی ہے کہ اُس کی زندگی کی تمام چھوٹی بڑی سرگرمیوں (خواہ وہ کسی بھی دائرہ میں ہوں اور کسی بھی نوعیت کی ہوں) کا مرکز و محور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی رضا اور خوشنودی کی طلب ہونی چاہیے۔ زندگی کے اسی نمونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا:

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ الْاِیْمَان.

” جس نے اللہ کی خاطر ہی کسی سے محبت کی اور اللہ کی خاطر ہی کسی سے نفرت کی اور اللہ کی خاطر ہی کسی کو دیا اور اللہ کی خاطر ہی کسی کو نہ دیا تو اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا“۔

گویا جب محبت و نفرت اور دیگر معاملات کا پیمانہ فقط اللہ کی ذات بن جاتی ہے اور اس کے علاوہ ہر غرض، طلب، تمنا اور چاہت کی نفی ہوجاتی ہے تو ایمان

اپنے نکتۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور انسان ایمان کی حقیقی لذتوں اور کیف وسرور سے آشنا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کے بقول زندگی کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ''لوجہ اللہ'' ۲۔ ''لوجہ النفس''

اول الذکر زندگی وہ ہے جس کا کھانا پینا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، ہنسنا رونا حتیٰ کہ جینا مرنا فقط اللہ کے لیے ہو جاتا ہے جب کہ مؤخر الذکر زندگی میں ان ساری چیزوں کا مرکز ومحور نفس کی خواہشات ہوتی ہیں۔

اول الذکر زندگی ہی حقیقی معنوں میں مومنانہ زندگی ہے جب کہ مؤخر الذکر زندگی کافرانہ یا کافرانہ روش کے قریب ہے۔ گویا شیخ الاسلام کے نزدیک بندۂ مومن کی زندگی کو فقط ''**لوجه الله**'' ہونا چاہیے۔

ہمارے عہد کے ایک اور دانشور پروفیسر احمد رفیق اختر (گوجر خاں والے) اس مقصد کے لیے جو اصطلاح استعمال کرتے ہیں وہ ہے ''**اللہ کو اپنی ترجیح اول بنا لینا**''۔ اُن کے مطابق جب تک انسان اپنی ترجیحات کی فہرست میں سب سے پہلے درجے میں اللہ کو نہیں رکھتا تب تک وہ جو مرضی کرتا رہے اللہ کو نہیں پا سکتا۔ اللہ کو پانے کی بنیادی شرط ہی یہ ہے کہ اللہ انسان کی پہلی ترجیح بن جائے اور باقی ہر چیز اُس کے نیچے ہو۔ اس کا بھی دوسرے لفظوں میں مطلب یہی ہے کہ زندگی کا مرکز ومحور اور نصب العین اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہونا چاہیے۔

مولانا رومؒ نے اسی بات کو اپنے شعر میں یوں بیان فرمایا:

چیست دنیا؟ از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند وزن

'' دنیا کیا ہے؟ ہر وہ چیز جو بندے کو خدا سے غافل کر دے۔ ذریعہ معاش، سونا چاندی اور بیوی بچوں میں سے کوئی چیز بھی دنیا نہیں ہے''۔

قرآن و حدیث میں جا بجا دنیا کی محبت کی مذمت کی گئی ہے۔ مولانا رومؒ نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ پہلے سوال اُٹھایا کہ جس دنیا کی مذمت کی جاتی ہے وہ ہے کیا؟ پھر خود ہی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر وہ چیز جو انسان کو خدا کی یاد سے غافل کر دے اور اُس کی محبت وطلب انسان پر اتنی چھا جائے کہ اللہ کی طلب وتمنا پسِ پشت چلی جائے تو وہ دنیا ہے۔ دنیا کا مال و دولت اور بیوی بچوں میں سے کوئی چیز بھی بذاتِ خود دنیا نہیں ہے، مگر ان میں جس چیز کو بھی انسان اپنی زندگی کا مرکز ومحور بنا لے گا اور اللہ کی یاد اور اُس کی چاہت کو پسِ پشت کرنے کا ذریعہ بن جائے تو وہی دنیا ہے اور قابلِ مذمت ہے۔ اسی نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن نے کہا:

یٰٓـاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ وَاَوْلَادِکُمْ عَدُوًّا لَّکُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ. (التغابن: ۱۴)

''اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں پس اُن سے ہوشیار رہو''۔

عارفِ رومیؒ کے مرید ہندی علامہ اقبالؒ نے مندرجہ بالا مفہوم کو اپنے الفاظ میں یوں بیان فرمایا:

یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں لاالہ الا اللہ

دنیا کا مال و دولت اور رشتے ناطے سب وہم و گماں کے بت ہیں۔ کائنات کے اندر اگر کوئی حقیقت ہے اور دل لگائے جانے کے قابل ہے تو وہ فقط اللہ کی ذات ہے اور اس مفہوم کی تائید بھی خود قرآنِ مجید سے ہوتی ہے:

کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ. وَّیَبْقٰی وَجْهُ رَبِّکَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِکْرَامِ. (الرحمن: ۲۶۔۲۷)

''ہر کوئی جو بھی زمین پر ہے فنا ہو جانے والا ہے۔ اور آپ کے رب ہی کی ذات باقی رہے گی جو

صاحبِ عظمت و جلال اور صاحبِ انعام و اکرام ہے‘‘۔

مندرجہ بالا ساری گفتگو کا خلاصہ یہی ہے کہ اس کائنات میں فقط ایک ہی ہستی ہے جو انسانی زندگی کا مرکز و محور بن سکتی ہے، اس کے علاوہ انسان جس بھی رشتے ناطے یا چیز کو زندگی کا مرکز و محور بنائے گا وہ سوائے سرابوں اور فریبوں میں بھٹکنے کے اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔

تعلق باللہ کے فوائد و ثمرات

اللہ رب العزت کی ذات کو زندگی کا نصب العین اور مطلوب و مقصود بنا لینے کے جو بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں اُن میں سے تین نمایاں ترین فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔ ثبات و استحکام: (Stability)

اللہ رب العزت کو زندگی کا مرکز بنا لینے کی صورت میں زندگی کو ثبات اور استحکام میسر آ جاتا ہے جو کہ کسی بھی اور طرح نہیں آ سکتا۔ جب یہ یقین انسان کے قلب و باطن میں اُتر جاتا ہے کہ اُس نے اُس ہستی کو تھام رکھا ہے جو ساری کائنات کی خالق و مالک ہونے کے ساتھ ہر قسم کی قدرتوں، عظمتوں اور رفعتوں کی مالک ہے۔ نیز وہ اپنے بندوں کے ساتھ حد درجہ مہربان بھی ہے تو یہ یقین انسان کو سراپا اطمینان و سکون بنا دیتا ہے۔ اُس کے دل و دماغ سے ہر قسم کے ڈر، خوف، وہم، وسوسے، منفی اور تخریبی خیالات اس طرح غائب ہو جاتے ہیں جیسے سورج کے نکلنے پر رات کی تاریکی ختم ہوجایا کرتی ہے۔ نتیجۃً زندگی انتشار و پراگندگی سے نجات پا جاتی ہے اور اُس میں یکسوئی، ثبات، استحکام اور قرار آجاتا ہے جو زندگی کی ترقی، ارتقاء اور عروج کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

۲۔ لامحدودیت: (Unlimitedness)

اللہ رب العزت کی ذات لامحدود ہے اور ہر قسم کی حد بندیوں اور حدود و قیود سے ماوراء ہے۔ اُس نے انسان کے اندر اپنی روح پھونک کر اور اُس کے سر پر اپنی خلافت و نیابت کا تاج سجا کر اُس کے اندر بھی لامحدود امکانات کی ایک دنیا رکھ دی ہے۔ مگر ان امکانات کے عملی طور پر معرضِ وجود میں آنے کی شرط یہ ہے کہ انسان کا اپنے بنانے والے سے مضبوط رابطہ قائم ہوجائے۔ چنانچہ جب انسان اللہ رب العزت کی ذات کو اپنا منتہائے مقصود بنا لیتا ہے تو پھر اس کے پھیلنے اور ترقی کرنے کے امکانات بھی لامحدود ہو جاتے ہیں اور اُس کی صلاحیتوں اور طاقتوں کا عالم یہ ہو جاتا ہے کہ حدیثِ قدسی کے مطابق اللہ تعالیٰ اُس بندے کی سماعت، بصارت اور ہاتھ پاؤں بن جاتے ہیں یعنی اُس کے اعضاء میں خدائی طاقتیں جلوہ گر ہوجاتی ہیں جن سے وہ زمان و مکاں کی حدود سے آزاد ہوجاتا ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے کلام میں جابجا بندۂ مومن کی ان طاقتوں اور قدرتوں کی طرف اشارہ کیا ہے مثلاً ایک مقام پر فرماتے ہیں:

ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

اسی طرح ایک اور مقام پر انسانی عظمتوں اور

انتقالِ پُر ملال

گذشتہ ماہ مرکزی سیکرٹریٹ پر خدمات سرانجام دینے والے درج ذیل احباب کے اعزء و اقارب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆محترم رانا فیاض احمد خان (نائب ناظم اعلیٰ) کی والدہ محترمہ
☆محترم جواد حامد (ناظم اجتماعات) کی بھانجی
☆محترم محمد منگتا طاہر (سٹاف ممبر) کے والد محترم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور جملہ مرکزی قائدین و سٹاف ممبران نے تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے مرحومین کی بخشش و مغفرت کے لئے خصوصی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کو اپنی جوار رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ امین☆☆☆☆

رفعتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

؎ دردشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

"میرے عشق وجنوں کے جنگل میں جبرئیلؑ جیسے عظیم الشان فرشتے کی حیثیت بھی ایک شکار کی ہے۔ اے ہمتِ مردانہ! ایک قدم اور بڑھا تو خدا بھی کمند میں آ سکتا ہے"۔

یہاں دوسرے مصرعے میں جو بات کہی گئی وہ تقریباً وہی ہے جو مندرجہ ذیل حدیث میں بیان ہوئی۔

مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ.

"جو اللہ کا ہوجاتا ہے تو اللہ اُس کا ہوجاتا ہے۔"

الغرض جب زندگی کا مرکز و محور اللہ رب العزت کو بنا لیا جاتا ہے تو پھر انسانی زندگی کے عروج اور ارتقا کے لامحدود امکانات پیدا ہوجاتے ہیں۔

۳۔توازن وہم آہنگی(Balanceness)

اللہ رب العزت کو مقصودِ حیات بنالینے سے جو تیسری عظیم الشان نعمت انسان کو میسر آجاتی ہے وہ ہے زندگی کی تمام جہتوں میں توازن اور ہم آہنگی کا پیدا ہو جانا۔ زندگی کا سارا حسن اور خوبصورتی اُس کے متوازن ہونے میں ہی ہے اور زندگی کے اندر مکمل توازن اللہ کو مرکز بنائے بغیر کسی بھی قیمت پر نہیں آسکتا، حضرت علیؓ کے ایک خوبصورت قول کا مفہوم یہ ہے :

"عقلمند وہ ہے جو چیزوں کو اُن کے مقام پر رکھے۔"

چنانچہ کامیاب زندگی بھی وہی ہوتی ہے جس میں ہر چیز اپنے مقام پر ہو اور اُسے اُتنی ہی اہمیت دی جارہی ہو جتنی فی الواقع ہے۔ نہ اُس سے کم نہ زیادہ۔ لیکن ایک عام انسان کا حال یہ ہوتا ہے کہ کسی مرحلے میں وہ کسی ایک چیز کو زیادہ اہم سمجھ کر اُس کی طرف جھک جاتا ہے اور کبھی کسی دوسری چیز کو زیادہ اہمیت دیتے ہوئے اپنی توجہ کا رُخ اُس طرف موڑ لیتا ہے۔ کبھی ایک مسئلے کو سر پر سوار کر لیتا ہے اور کبھی دوسرے کو۔ اس طرح زندگی عدمِ توازن اور افراط و تفریط کا شکار ہوکر اپنے حقیقی کمال کو پانے سے محروم رہ جاتی ہے۔ جو زندگی بے چاری خود ہی ڈانواں ڈول ہوگی وہ انسان کو کس منزل پر پہنچا سکے گی ؟ لیکن جب زندگی کا مرکز و محور اللہ کو بنا لیا جاتا ہے اور باقی تمام سرگرمیاں اُس مرکز کے گرد گھوم رہی ہوتی ہیں تو پھر زندگی کو صحیح معنوں میں توازن میسر آجاتا ہے اور ہر چیز عین اُسی مقام پر ہوتی ہے جس پر اُسے ہونا چاہیے۔ نہ تو کسی بھی چیز کو اُس کی حیثیت سے زیادہ اہمیت دے کر سر پر سوار کر لیا جاتا ہے اور نہ ہی کسی چیز کو خواہ مخواہ کم اہم سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ اس طرح زندگی کا نقشہ کچھ یوں بنتا ہے۔

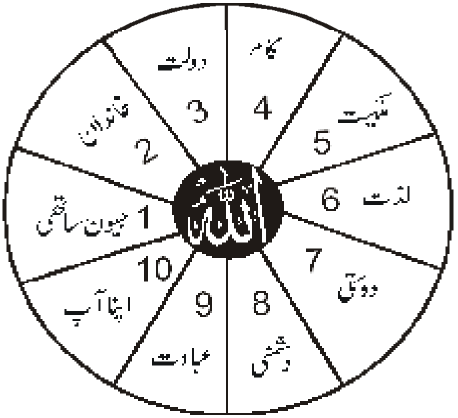

مندرجہ بالا نقشے میں صاف دیکھا جا سکتا ہے کہ جب زندگی کا مرکز و محور اللہ بن جاتا ہے تو پھر باقی ہر چیز کی قدر و قیمت اُسی کی نسبت سے متعین ہوگی۔ اللہ کو اپنا مقصود بنا لینے والا کوئی بھی شخص دوسری کسی بھی چیز کو وہی مقام دے گا جو اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے متعین کیا ہوگا۔ وہ کسی بھی چیز کو اُس کے حقیقی مقام و مرتبے سے زیادہ یا کم اہمیت دینے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں اُسے یہ اندیشہ ہوگا کہ اُس کے نصب العین (اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اُس کے قرب کا حصول) کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ نیز دنیا کے

تمام رشتوں، ناطوں، تعلقات اور تمام سرگرمیوں کی بنیاد میں اُس کی خواہش صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی محبت و معرفت اور اُس کی خوشنودی ہی ہوگی۔ اس کے علاوہ کوئی اور غرض و غایت نہیں ہوگی۔ یہی ایمان کا کمال، بندگی کی روح اور اخلاص کی جان ہے۔ یہیں سے دین، دنیا اور آخرت کی جملہ کامیابیوں، کامرانیوں اور سعادتوں کے حصول کا آغاز ہوتا ہے۔

اور یہی تحریکِ منہاج القرآن کا پیغام بھی ہے۔

تحریک منہاج القرآن اور حقیقی نصب العین

تحریکِ منہاج القرآن ''بیداریٔ شعور'' کی جس عظیم الشان کام کو تحریک کے طور پر جاری رکھے ہوئے ہے، اُس کا پہلا نکتہ ہی یہ ہے۔ ''اللہ کی بندگی اور عبادت کو اخلاص اور للّٰہیّت تک لے کر جانا''

مطلب یہ کہ زندگی سر سے لے کر پاؤں تک بندگی کی چلتی پھرتی عملی تصویر بن جائے۔ اس طرح کہ انسان کے جملہ اعمال و افعال اور حرکات و سکنات میں سے ذاتی اغراض و مقاصد، نفس کی خواہشات و داعیات اور لوگوں کی رضا و خوشنودی جیسی تمام چیزیں نکل جائیں اور ہر کام کا منتہائے مقصود فقط اللہ کی ذات بن جائے۔ یہ وہی بات ہے جو قرآنِ مجید میں ان الفاظ میں کہی گئی۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ .

''حالانکہ انہیں فقط یہی حکم دیا گیا تھا کہ صرف اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے اللہ کی عبادت کریں، (ہر باطل سے جدا ہو کر) حق کی طرف یکسوئی پیدا کریں''۔ (البینۃ: ۵)

کسی بھی معاشرے میں اصلاحِ احوال کا جو بہترین نکتۂ آغاز ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ سب سے پہلے افرادِ معاشرہ کے اللہ کی ذات کے ساتھ تعلق بندگی کو رسمی دائرہ سے نکال کر ایک حقیقی، پائیدار، مضبوط و مؤثر اور زندہ و جاوید تعلق میں تبدیل کیا جائے کہ اللہ انسان کے دل کی دھڑکنوں میں شامل ہو جائے۔۔۔ اُس کی سانسوں میں سما جائے۔۔۔ اور اُس کی اُمیدوں و اندیشوں کا مرکز و محور بن جائے۔۔۔ یہی پیغمبرانہ منہاج بھی ہے۔ اس حوالے سے قائدِ تحریک شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی کی فراست یقیناً خراجِ تحسین کی مستحق ہے کہ اُنہوں نے اس حوالے سے بہترین نکتۂ آغاز کو اپنایا ہے۔ اس نکتے کو نظر انداز کرتے ہوئے بیداریٔ شعور اور اصلاحِ معاشرہ کی جو کوششیں بھی ہوں گی اُن سے حوصلہ افزاء نتائج کی توقع نہیں رکھی جا سکتی۔

(بیداری شعور تحریک کل چار نکات پر مشتمل ہے جن میں دینِ اسلام کی روح کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ ان نکات کی مختصر تشریح ''القرآن'' کے عنوان کے تحت ماہ ستمبر کے شمارہ میں گزر چکی ہے)

(جاری ہے)

تعزیت: گذشتہ ماہ محترم حاجی محمد ارشد (صدر TMQ عزیز بھٹی ٹاؤن) کی والدہ محترمہ، محترم محمد یوسف قادری (منڈی بہاؤالدین) کے تایا جان اور ممانی جان، محترم مشتاق عباسی (مناسہ، دھیرکوٹ) کے چچا جان، محمد طارق فرید مصطفوی (مریدکے) کی والدہ محترمہ، محترم امتیاز محمود کے بھائی محترم سجاد محمود، محترم امجد عباس خان (داؤد خیل، میانوالی)، محترم نثار الحسن عامر (حافظ آباد) کی والدہ محترمہ، محترم خالد کریمی (حافظ آباد) کے والدمحترم اللہ دتہ کریمی، محترم طارق محمود انجم نوشاہی (حافظ آباد) کی نانی محترمہ، محترم شاہد سلطان بھٹی (چنیوٹ) کے والدمحترم خدا بخش بھٹی اور نانا جان محترم رائے محمد حیات بھٹی، محترم محمد وارث (چنیوٹ) کی والدہ محترمہ، محترم ڈاکٹر محمد شفیع (اکڑیانوالہ، جھنگ) اور محترم ڈاکٹر لیاقت علی (اکڑیانوالہ، جھنگ) کے والدمحترم حاجی محمد بخش قضائے الٰہی سے اس دار فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ جملہ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل و اجر عظیم عطا فرمائے۔

ترکی میں تحریکِ احیائے اسلام

مذہبی کارکنان کیلئے ایک دلچسپ تاریخی مطالعہ

حصہ دوم

ڈاکٹر علی اکبر الازہری

گذشتہ قسط میں ہم نے اسلامی ملک ترکی کی تاریخی اور جغرافیائی اہمیت کے کچھ پہلو آپ کے سامنے رکھے تھے۔ خصوصاً خوش عقیدہ ترک مسلمانوں کا دین کے ساتھ گہرا تعلق ہمارے قارئین کے لئے خاصی دلچسپی کا باعث بنا کیونکہ عمومی طور پر اہل اسلام ترکی کو ایک عرصے سے سیکولر ملک سمجھتے آئے ہیں اور ترک مسلمانوں کے متعلق بھی ان کا خیال یہی ہے۔ ثانیاً چونکہ ہمیں حکومتی ذرائع سے حکومتی تاریخ کا علم تھا اس لئے ترک انقلاب کا نام نہاد ہیرو جو فی الاصل دین دشمن استعماری طاقتوں کا ایجنٹ تھا ہمارے ہاں قائد اعظم کی طرح نئے ترکی کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جن شخصیات نے وہاں جانوں کی قربانیاں دے کر دین کی حرمت اور شناخت قائم رکھی ہم ان کا نام بھی نہیں جانتے۔

ذیل میں ہم اسی بطل جلیل کا ذکر خیر کر رہے ہیں جس کے دم قدم سے آج وہاں کے چمنستانِ اسلام میں بہاریں لوٹ آئی ہیں۔ جن کے بوئے ہوئے بیج آج تناور درخت بن چکے ہیں اور ان کے ثمرات سے نہ صرف ترکی بلکہ پورا عالم اسلام مستفیض ہو رہا ہے۔ میری مراد بیسویں صدی عیسوی کے عظیم ترین مسلمان مفکر، دانشور، مجاہد، صوفی اور مفسر جناب حضرت بدیع الزماں سعید نورسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نبوت اور صحابیت کے علاوہ اس مرد وفا شعار کے لئے ہر القاب اسکے مقام و مرتبے سے کم ہیں۔

ہاں قارئین! آپ اس مردِ حق سے شاید پہلی مرتبہ شناسائی حاصل کر رہے ہوں گے، اس میں تعجب کی بات نہیں۔ میں بھی آج سے چھ ماہ قبل ان کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا۔ یہ تو اللہ بھلا کرے میرے اس ترکی دوست ''محمد معشوق'' جو حرم کعبہ میں مجھے عمرے کے دوران ملا اور پانچ منٹ میں گہری دوستی ہوگئی۔ انہوں نے پہلی بار مجھے اس عظیم شخصیت سے متعارف کروایا۔ یہ تعارف محبت کی سیڑھی کے ذریعے جب علم و تحقیق کی وادیوں میں اترا تو میرے سامنے ایک لا متناہی سمندر موجزن تھا۔ یہ اسی محبت کا معجزہ تھا کہ میں صرف دو ماہ بعد ہواؤں کے دوش پر اڑتا ہوا زندہ دلوں کے شہر لاہور سے آستانۂ خلافت، شہروں کے سردار اور اسلام کی عظمت کے امین استنبول شہر میں جا اترا۔ وہ استنبول جس کی پیشانی پر پانچ سو سالہ خلافت عثمانیہ کی عظمتوں کے ہزاروں نشان پیوستہ ہیں۔۔۔ جس کے سینے میں حضرت ایوب انصاری سے لے کر سلطان محمد فاتح اور ان کے قابل فخر فرزندانِ اسلام کی عزیمت و بہادری کے ان گنت راز پوشیدہ ہیں۔۔۔ وہ استنبول جس کے چمکتے شفاف پانیوں میں آج بھی مسجد سلطان احمد، مسجد ایا صوفیہ، مسجد سلیمانیہ، مسجد بایزید اور مسجد سیدنا ابو ایوب کے خوبصورت میناروں کا عکس اسلام کی

عظمت رفتہ کی تصویر کشی کرتا نظر آتا ہے۔۔۔ وہ استنبول جس کی فضائیں تمام تر قدرتی اور انسانی زیبائش و آرائش کے باوجود آج تک اداس، فراق میں مضطرب اور پریشان ہیں کیونکہ اس شہر کے نیل گوں شفق میں مسلمانوں کا 12 سو سالہ سیاسی استحکام کا سورج ڈوب گیا تھا۔ جس طرح اسلامی تاریخ نے وہ لمحات فراموش نہیں کیے جب سپین کے آٹھ سو سالہ شاندار اقتدار کے خاتمے پر خانہ جنگی کے نتیجے میں رخصت ہونے والا معزول بادشاہ عبد اللہ، جبل طارق کے دامن میں کھڑا رو رہا تھا اور بے بسی کی تصویر بن کر مسلمانوں کے ماضی اور اپنے حال پر آنسو بہا رہا تھا۔ اس کی ماں نے بلند آواز میں اسے ایک سبق آموز بات کی تھی جو آج تک جبرالٹر کے ساحلوں سمیت قرطبہ اور غرناطہ کے درو دیوار سے ٹکرا رہی ہے۔ اس نے کہا تھا:

''اگر تم نے مردوں کی طرح بہادری اور فرض شناسی کے احساس کے ساتھ حکومت کی ہوتی تو آج یہاں تمہیں عورتوں کی طرح رونا نہ پڑتا کاش! تم لوگوں نے آپس میں جھگڑ جھگڑ کر خود کو کمزور نہ کیا ہوتا اور اپنی اس جنگ میں غیروں کو مداخلت کا موقع نہ دیا ہوتا۔''

قدرت نے سپین کی محرومی کے بدلے میں ایک طرف مسلمانوں پر ہندوستان اور دوسری طرف قسطنطنیہ کے دروازے کھول دیئے۔ بالآخر ہندوستان میں طویل دورِ اقتدار آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی معزولی پر ختم ہوگیا اور استنبول سے عثمانی خلافت کا سنہری دور سلطان وحد الدین کی رخصتی پر منتج ہوا۔ اگرچہ سقوط غرناطہ اور سقوط دھلی کی طرح سقوطِ استنبول بھی انگریزوں کی ریشہ دوانیوں سے عمل میں آ رہا تھا مگر یہاں خلافت کی قبا کو چاک کرنے میں دین دشمن مغربی طاقتوں سے زیادہ سازشی کردار خود مصطفیٰ کمال اور اسکے ساتھیوں نے ادا کیا۔ یہی وجہ تھی کہ شاعرِ اسلام علامہ اقبال نے اس موقع پر پورے عالم اسلام کی نمائندگی کرتے ہوئے یہ نوحہ رقم کیا:

سازِ عشرت کی صدا مغرب کے ایوانوں میں سن
اور ایراں میں ذرا ماتم کی تیاری بھی دیکھ
چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

برصغیر کے مسلمان جب اقبال اور قائداعظم کی قیادت میں سقوط دہلی کی تلافی قیام پاکستان کی صورت میں کرنا چاہتے تھے تو اسی دور میں اناطولیہ (ترکی کا قدیم نام) کی ہزار سالہ اسلامی ثقافت اور تاریخ کی حفاظت کا بیڑا اکیلے بدیع الزماں سعید نورسی نے اُٹھایا جو حسنِ اتفاق سے ان کے ہم عمر اور ہم عصر تھے۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اسی دور میں اقبال (مرید ھندی) ترکی کے پیرِ رومؒ سے فکری اور روحانی رہنمائی لے رہے تھے اور سعید نورسی تاجدارِ ہند امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات سے اکتساب فیض کر رہے تھے مگر دونوں ہم عمر، ہم فکر اور ہم مشرب شخصیات کے درمیان تقریباً اجنبیت کے پردے حائل رہے۔

یہاں ہم ان دونوں خطوں میں جاری جدوجہد کا ایک اور پہلو بھی آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں جو سعید نورسی کی کاوشوں کو سمجھنے میں زیادہ مددگار ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ برصغیر میں مسلمانوں کو انگریزوں اور ہندوؤں سے بیک وقت مقابلہ کرنا پڑ رہا تھا مگر بوجوہ یہاں نوبت نہیں آئی کہ کلمہ گو مسلمانوں کو اللہ کا نام لینے سے روک دیا جاتا۔۔۔ مسجدوں پر تالے اور شعائر اسلام کی حکماً توہین کی جاتی۔۔۔ اسلامی شریعت کی پاسداری کا اعتراف، پھانسی کے لئے اقبالِ جرم سمجھا جاتا۔۔۔ اور آئین سے لیکر زبان کے رسم الخط تک ہر چیز مغربیت اور سیکولرازم میں ڈھال دی جاتی۔ وہ حالات یہاں چونکہ پیدا ہی نہیں ہوئے اس لئے ان مسائل سے نبٹنے کے لئے اہل ایمان کا امتحان بھی ہمارے ہاں اس طرح نہیں لیا گیا۔

اس کے برعکس ترکی میں جب ہم پس دیوارِ زنداں دیکھتے ہیں تو ہمیں سقوط خلافت کے بعد نصف صدی تک انتہائی کربناک حالات و واقعات کا تسلسل نظر آتا ہے۔ 1924ء کے بعد بظاہر حکومت مسلمانوں کی تھی اور ترکی نے خوشحالی کا سفر بھی جاری رکھا مگر درون خانہ احیائے اسلام کی تحریک جن خطرناک ادوار سے گزرتی رہی اس کا ہم پاکستان کے لوگ تصور بھی نہیں کرسکتے۔ جدید سیاسی انقلاب کے بعد ترکی میں آنے والی منفی تبدیلیوں کا سرسری تذکرہ ہم نے گذشتہ قسط میں کر دیا ہے۔ اس لئے ان حالات کو یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

اقبال اور قائداعظم تحریک پاکستان کے دوران بڑے بڑے اجتماعات سے خطاب کرتے رہے، خواص وعوام سے ملتے رہے، نہ ان سے ملنے والوں کو حکومتی غضب کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور نہ ہی ان قائدین پر کہیں آنے جانے کی پابندی تھی مگر ترکی میں نورسی صاحب کو قدم قدم پر پابندیوں اور بے پناہ دباؤ کا سامنا تھا۔ زندگی کے آخری 35 سال تو انہوں نے شدید تکلیف میں گزارے۔ جناب سعید نورسی سے تعلقِ عقیدت و محبت سیدھا سزائے موت اور پھانسی کا موجب تھا۔ ان پر بے شمار مرتبہ ''آئین اور قانون'' کی مخالفت پر جو مقدمات قائم کئے گئے اور انہیں یکے بعد دیگر جیل خانہ جات کا سامنا رہا، ان میں سے بیشتر مقدمات کا تعلق صرف اس بات سے تھا کہ وہ سیکولر آئین کے ہوتے ہوئے اسلام کے عقیدہ عمل کا تحفظ کررہے تھے؟ ان پر تین سال تک چلنے والا ایک مقدمہ صرف اس جرم پر قائم کیا گیا تھا کہ انہوں نے کسی رسالے میں اللہ تعالیٰ کے وجود پر عقلی اور علمی دلائل دیئے تھے۔ اسی طرح ان کے وفا شعار تلامذہ پر ترکی کے ہر علاقے میں جو مقدمات قائم کئے گئے وہ اسی بنیادی ''جرم'' کی وجہ سے تھے کہ وہ لوگ اشاعت اور خدمت اسلام کی جدوجہد میں نورسی کا ساتھ کیوں دیتے ہیں؟

یہ تعارفی اور ضمنی تمہید تھوڑی طویل ہوگئی ہے، اس لئے ہم واپس اپنے اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہیں اور وہ ہے سعید نورسیؒ کے مختصر حالاتِ زندگی اور انکی کاوشوں کا بالترتیب تذکرہ فی نفسہ یہ کئی ضخیم کتب کا موضوع ہے مگر تنگ دامانی صفحات کے پیش نظر یہاں ہم انتہائی اختصار سے کام لیں گے:

خاندانی پس منظر ولادت اور نام

سعید نورسی کے آباؤ اجداد کو دنیوی پیمانوں پر رکھ کر دیکھا جائے تو وہ نہ تو قابل ذکر ہیں اور نہ قابل فخر۔ مگر انکی دین داری، خاندانی شرافت اور روحانیت سے گہرا تعلق ایسے معیار ہیں کہ انہیں بجا طور پر غیر معمولی کہا جاسکتا ہے۔ انکے والد ''صوفی مرزا'' (جیسا کہ نام سے ظاہر ہے) ایک درویش منش شخص تھے جو اپنے دور کے معروف بزرگ ''غوث خزان'' سے روحانی نسبت رکھتے تھے، جبکہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی علاقے کے علمی اور روحانی خانوادے سے تعلق رکھتی تھیں۔

مشرقی ترکی کے قصبے تبلس کے نواح میں نورس نامی گاؤں میں اس خاندان کے ہاں 1878ء میں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام انہوں نے سعید رکھا، اسی گاؤں کی نسبت سے آگے چل کر یہی بچہ سعید نورسی کہلایا۔ سعید نورسی چونکہ خداداد غیر معمولی ذہانت و فطانت کا مالک تھا اس لئے اس نے وہ علوم وفنون جو عام لوگ دس بارہ سالوں میں مکمل کرتے ہیں صرف چند سال میں نہ صرف پڑھ لیے بلکہ ان سے متعلقہ علوم کے بارے میں قدرت کی طرف سے انہیں شرح صدر بھی حاصل ہوگیا۔ وہ 13 سال کی عمر میں متبحر عالم کی حیثیت سے ہر دینی مسئلے پر بحث کرسکتے تھے۔ انکی اس ذہانت اور فہم علوم کا چرچا علاقے بھر میں پھیل گیا۔ علماء و مشائخ نے حیرت واستعجاب کی حالت میں ان سے امتحانات لئے، ادق مسائل پر گفتگو کی اور کم عمر سعید نے جب ان کی توقع کے برعکس تسلی بخش جوابات دیئے تو انہیں ''بدیع

الزماں‘‘ (یعنی ایسا فرد جو اپنے عہد میں اپنی کوئی مثال نہ رکھتا ہو) کہا جانے لگا۔ بعد میں یہ لقب ان کے نام کا حصہ بن گیا۔ تجرِ علمی کی وجہ سے انہیں لڑکپن میں ہی ’’ملاّ سعید نورسی‘‘ بھی کہا جاتا تھا۔ ’’ملاّ‘‘ بڑے عالم دین کو کہا جاتا تھا جو آج کل ہمارے ہاں معنویت کھو کر کلمہ تحقیر بن چکا ہے۔

پیدائش سے پہلے پیشین گوئیاں

قدرت جن لوگوں سے بڑا کام لیتی ہے انکے مقام و مرتبے کو بھی بلندیوں سے نوازتی ہے۔ یہ مرتبہ دولت و ثروت یا جاہ و منصب سے نہیں بلکہ علمی و روحانی بلندیوں کے باعث نصیب ہوتا ہے۔ایسے لوگوں کے چرچے بعد میں تو ہوتے ہی ہیں تاہم بعض اوقات انکی پیدائش سے قبل بھی کئی اہل بصیرت و روحانیت انکی خبریں دے دیتے ہیں۔ اس کی کئی ایک مثالیں مستند کتب میں موجود ہیں۔ جناب سعید نورسی کا معاملہ بھی یہی تھا، ان کے تذکرے کی تمام کتب میں کئی بزرگوں کے نام بطور خاص لئے جاتے ہیں جن کی خود نورسی صاحب نے بھی تصدیق کی ہے۔

☆ اس سلسلے میں پہلے بزرگ تو ان کے والد صوفی مرزا کے شیخ ’’غوث خزان‘‘ ہیں۔ (خزان (Hisan) تبلس کا ضلع ہے، اسی نسبت سے انہیں غوث خزان کہا جاتا تھا)۔ انہوں نے ایک مرتبہ اپنے خاص خلفاء کی مجلس میں فرمایا تھا:

’’حضرات اس فقیر صوفی مرزا کی اولاد میں ایک ایسا بچہ اس دنیا میں آئے گا جس کے روحانی درجات تک سو قطب بھی نہیں پہنچ سکیں گے۔‘‘

☆ اس سلسلے کی دوسری کڑی ان سے بھی معروف بزرگ حضرت عثمان خالدیؒ سے منسوب ہے جو ’’اسپارٹا‘‘ میں نقشبندی خالدی سلسلے کے روح رواں اور پابند شریعت شخص تھے۔ اسپارٹا وہ علاقہ ہے جہاں سعید نورسی اپنی عمر کے 48 ویں سال جلا وطن ہو کر تشریف لائے۔ عثمان خالدی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ نہایت اعلی درجے کے نفیس روحانی شخصیت تھے۔ چالیس روز میں ایک مرتبہ کھانا کھاتے تھے۔ ان کی وفات اُسی سال ہوئی جس سال نورسی پیدا ہوئے مگر دونوں کے علاقے مختلف تھے۔

ان بزرگوں نے اپنی اولاد سمیت اپنے قریبی حلقوں کو بڑے وثوق کے ساتھ یہ خوشخبری دی تھی کہ ’’ایمان کو بچانے والا ایک مجدد ظہور پذیر ہوگا جو اِسی سال پیدا ہوگا‘‘ انہوں نے فرمایا ’’میرے بیٹوں میں سے ایک بیٹا اس مجدد سے ملاقات کریگا اور ان کی دست بوسی بھی کرے گا۔‘‘

چنانچہ جب سعید نورسی جلا وطن ہو کر اسپارٹا تشریف لائے تو شیخ عثمان خالدی کے سب سے چھوٹے بیٹے احمد آفندی کو ان سے ملنے اور ان سے گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ انہوں نے اپنے والد گرامی کی پیشین گوئی حق ثابت ہونے پر نورسی صاحب کی دست بوسی کی جس کے کئی لوگ گواہ ہیں۔

الغرض بچپن کے آثار اور بعد کے واقعات زبان حال سے ان بزرگوں کی پیشین گوئیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

آپ نے اس دور میں شعور کی آنکھ کھولی جب مغربی تہذیب سرپٹ گھوڑوں پر سوار شعائر اسلام کو روندتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ عثمانی خلافت کے خلاف استعماری سازشیں کامیاب ہو رہی تھیں اور سلطنت روز بہ روز سمٹ رہی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ مختصر عرصے میں مروجہ دینی کتب پڑھ لینے کے بعد بھی نورسی اسلامی علوم وفنون پر اکابرین کی کتب پڑھتے رہے اور 80 کے قریب کتب انہوں نے زبانی بھی یاد کر لیں مگر ان کا اضطراب **ھل من مزید** کیا تقاضا کرتا رہا۔

وہ آغازِ شباب سے ہی ہنگامہ آرا زندگی میں قدم رکھ چکے تھے۔ فطرت انہیں نواء پر مجبور کرتی تھی اور حاسدین انہیں نئے سے نئے چیلنجز سے دو چار رکھتے تھے۔ انہوں نے حصول تعلیم کے لئے زیادہ ادارے اس لئے بھی تبدیل کئے کہ وہ کہیں سے بھی مطمئن نہیں ہو پا

رہے تھے۔ عزتِ نفس، تعمیر اخلاق، تزکیہ باطن اور اخلاصِ عمل ان کی اپنی شخصیت کا لازمی حصہ تھے مگر انہیں مدارس اور خانقاہوں پر یہ چیزیں کما حقہ نظر نہیں آتی تھیں۔

ثانیاً وہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی صدی میں زندگی گزار رہے تھے اور جس طوفان کا وہ مقابلہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے وہ طوفان عقلی دلائل اور سائنسی تحقیقات کی بل بوتے پر آگے بڑھ رہا تھا۔ اس لیے انہوں نے مختلف اوقات میں تمام مروجہ سائنسی علوم بھی یعنی نصابی کتب پڑھ لیں۔ یہ تمام مذہبی اور سائنسی علوم بعد ازاں انہیں فہم قرآن کے لئے سیڑھی کے طور پر کام آئے۔ شہر شہر اور بستی بستی گھوم پھر کر ان علوم سے فراغت کے وقت سعید نورسی صرف ۲۰ سال کے ہوئے تھے۔

خدمتِ قرآن کو مقصدِ حیات بنانے کا عزم

سعید نورسی کی روحانی رہنمائی ساتھ ساتھ ہو رہی تھی۔ وہ اس دوران دعوت، اصلاح اور بیداریٔ شعور کا کام بھی کر رہے تھے مگر ابھی تک کسی واضح مشن اور راستے کا تعین نہیں ہوسکا تھا۔ اس دوران وہ دو واقعات کو قرآن کی طرف متوجہ ہونے اور اپنی تمام تر صلاحیتیں اسکے علوم کو پھیلانے میں صرف کر دینے کا سبب قرار دیتے ہیں۔

ایک واقعہ منامی ہے جبکہ دوسرا آنکھوں دیکھا۔ جنگ عظیم اول سے قبل کے ایک خواب کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں:

> ''وہ ایک مشہور پہاڑی کے دامن میں کھڑے ہیں کہ اچانک وہ پہاڑ ایک زور دار دھاکے کے ساتھ پھٹ گیا ہے اور اسکے ٹکڑے پوری دنیا میں پھیل رہے ہیں۔ ایک اہم شخصیت نے مجھے مخاطب کر کے حکم دیا ''قرآن کے معجزہ ہونے کا بیان کرو''۔ میں سمجھ گیا کہ دنیا ایک بڑے حادثے سے دو چار ہونے والی ہے۔ اس کے بعد قرآن کی حرمت اور صداقت پر حملے ہوں گے اور ان حملوں کا علاج خود قرآنی معجزات کے بیان سے ہی ممکن ہوگا۔ چنانچہ میں سمجھ گیا کہ قدرت اس سلسلے میں مجھ سے خدمت لینا چاہتی ہے لہذا میں نے خود کو اس محاذ پر مسلح کرنا شروع کر دیا۔''

اسی دوران ان کی ترجیحات میں انقلاب برپا کرنے کا باعث ایک دوسرا واقعہ یہ ہے کہ

برطانوی پارلیمنٹ میں وزیر نوآبادیات ''ولیم گلیڈ سٹون'' نے اپنی ایک تقریر میں قرآن دکھاتے ہوئے کہا تھا:

> ''جب تک یہ قرآن مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے، ہم ان پر حاوی نہیں ہوسکتے۔ ہمیں چاہیے کہ جس طرح بھی ہو قرآن ان کے ہاتھوں سے چھین لیں یا پھر مسلمانوں کو اس قرآن سے لاتعلق بنا دیں۔''

اخبارات میں شائع ہونے والی اس خبر نے سعید نورسی کی حساس طبیعت پر گہرا اثر کیا اور اسی لمحے انہوں نے اللہ تعالی سے عہد کیا کہ میں قرآن کے ان دشمنوں کے ان منصوبوں کو کامیاب نہیں ہونے دوں گا اور جس قرآن کو وہ مسلمانوں سے چھین لینا چاہتے ہیں اسے ایک لافانی قوت بنا کر مسلمانوں کے امراض کا علاج تلاش کروں گا۔ میں دنیا پر ثابت کردوں گا کہ قرآن ایک معنوی سورج ہے جو نہ بجھ سکتا ہے اور نہ بجھایا جاسکتا ہے۔ اس عہد کے بعد انہوں نے اپنے سارے افکار، خیالات، قابلیتیں، حافظہ اور ذکاوت قرآن کی خدمت پر نثار کر دی۔ ان کی زندگی کا واحد ھدف اور حصول علم کا مقصد علوم قرآن کی ترویج ٹھہرا۔ ان کی علمی کاوشیں نئی نسل کے ذہنوں میں پائے جانے والے تمام تر اشکالات کو دور کرنے پر منحصر ہوگئیں۔ وہ دروس قرآن دینے لگے اور تصانیف و تالیف کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔

یونیورسٹی کے قیام کا منصوبہ

بدیع الزماں نے جب اپنے مقصد کا تعین کر لیا تو ضروری تھا کہ وہ اسکی ٹھوس منصوبہ بندی کرتے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے قریبی دوستوں سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ وہ مشرقی ترکی میں ایک عالمی تعلیمی ادارے کا قیام عمل میں لائیں گے جہاں جامعہ ازھر سے بڑھ کر جدید و قدیم علوم و فنون کی تعلیم ممکن ہوسکے گی۔ اس مقصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے انکو مالی وسائل اور وسیع خطۂ اراضی کی ضرورت تھی۔ اس لئے وہ سلطان عبد الحمید(جو علم دوستی کی اچھی شہرت رکھتے تھے) کو ملنے کے قصد سے استنبول آئے۔

یہ ۱۹۰۷ کا واقعہ ہے اور اس وقت سعید نورسی ۲۹ سال کے ہو چکے تھے۔ انہوں نے متوقع یونیورسٹی کا نام ''جامعہ فاطمۃ الزھراء'' رکھا تھا۔ بدیع الزمان اس یونیورسٹی کے ساتھ ساتھ پورے ترکی اور بالخصوص مشرقی علاقے میں جدید و قدیم تعلیمی اداروں میں نئے نصاب تعلیم کے خواہاں تھے۔ انہوں نے سلطان کے وزیر اعظم کے نام لکھے گئے ایک مراسلے میں مسلمانوں کو لاحق امراض کا واحد علاج علمی برتری اور ترقی کو قرار دیا اور کہا کہ اس وقت ایک طرف مسلمانوں کے ہاں روائتی مذہبی ادارے کام کر رہے ہیں دوسری طرف کچھ خانقاہیں ہیں جہاں روحانی تربیت دی جاتی ہے اور اب تیسرا شعبہ جدید تعلیمی اداروں کی صورت میں سامنے آ رہا ہے جہاں جدید علوم کی تدریس ہو رہی ہے۔ حقیقت میں یہ تینوں شعبے تعلیم و تربیت کی الگ الگ ضرورتیں پوری کر رہے ہیں۔ مستقبل قریب میں یہ نظام اچھی خاصی قباحتیں لائے گا۔ ہر شخص دوسرے کو جاہل اور گمراہ کہے گا۔ اسلئے ضروری ہے کہ تینوں اداروں کے درمیان کوئی فعال مرکزیت قائم کی جائے۔ جدید مکاتب میں دینی تعلیم کا بندوبست ہو اور دینی اداروں اور خانقاہوں میں جدید تعلیم کا معقول اہتمام کیا جائے ورنہ حکومتی کاوشیں الگ ضائع ہوں گی اور قوم کو آنے والے سخت ترین حالات کے لئے تیاری میں کما حقہ مدد بھی نہیں مل سکے گی۔

اگر بغور دیکھا جائے تو یہ نہایت قیمتی تجاویز تھیں مگر شاہی مشیر اور بدنیت جرنیل، سعید نورسی اور سلطان کے درمیان حائل ہوگئے۔ جو شخص امت میں تعلیمی انقلاب کی امنگ لے کر خلیفہ کے پاس گیا تھا، اسے شاھی دقیانوسوں نے پاگل قرار دے کر استنبول کے پاگل خانے پہنچا دیا۔ یہ ہوتے ہیں پرویزی حیلے اور اقتدار کی اندھی راھداریوں میں پروان چڑھنے والی خطرناک سازشیں جن کی موجودگی میں اگر حکمران خود آگاہ اور ماحول کو اچھی طرح نہ سمجھتا ہو تو درباری کیا سے کیا بنا دیتے ہیں۔ دنیائے اسلام کا یہ بطل جلیل جو تڑپ، ادراک اور فہم و بصیرت رکھتا تھا اسے محدود مفادات کے پجاریوں نے پاگل پن قرار دے دیا۔ چنانچہ پاگل خانے والے ڈاکٹر نے جب نورسی صاحب سے حقیقت حال پوچھی تو ان کی گفتگو سننے کے بعد اس نے لکھا:

استنبول میں آنے والوں میں یہ شخص نہایت ذہین، وطن دوست اور مسلمانوں کا خیر خواہ ہے۔ اسے اگر پاگل قرار دیا جائے تو دنیا میں کوئی شخص بھی عقلمند نہیں کہلائے گا۔

بوکھلائے ہوئے شاہی مشیروں نے اس سازش کی ناکامی پر ایک اور حربہ کھیلا۔ انہوں نے سلطان کی طرف سے نورسی کے لئے ماہانہ وظیفہ، کچھ انعامات اور ملازمت کا لالچ دے دیا، جس کو سعید نورسی نے پائے حقارت کے ساتھ رد کر دیا۔ انہیں استنبول آ کر شاہی خزانے سے یونیورسٹی کے لئے مالی امداد تو نہ ملی مگر قدرت نے انہیں مرکز خلافت کی صورتِ حال سے مکمل اور قریب سے آگہی کا بندوبست کر دیا۔ وہ استنبول آتے ہوئے کئی مقامات پر رکے تھے اور وہاں کے تعلیمی اداروں میں جا کر صورت حال کا

قریب سے جائزہ لیا تھا۔ انہوں نے استنبول کے اہل علم کو متوجہ کرنے کے لئے اپنے قیام گاہ کے باہر یہ لکھ کر لگا دیا۔

''یہاں ہر شخص کے ہر سوال کا ہر وقت جواب دیا جاتا ہے۔''

چنانچہ علماء اور طلباء کا ایک ہجوم امڈ آیا اور سب لوگ اپنا اپنا سوال کرکے مطمئن ہو کر جا رہے تھے۔ شاہ پرستوں کو نورسی کی شہرت اور عزت کا باعث بننے والی یہ چیز بھی گوارہ نہ ہوئی اور انہیں جیل میں بھجوا دیا۔

غالباً نورسی کی زندگی میں یہ پہلی سزائے قید تھی جو انہیں سرکاری مراعات (جو انہیں رشوت کے طور پر دی جا رہی تھیں) قبول نہ کرنے پر بھگتنا پڑی۔ اسی دوران آزادی کی تحریک نے استنبول سمیت پورے ترکی میں سر اُٹھا لیا۔ نورسی صاحب قید سے رہا ہوگئے مگر انہوں نے حالات کا بہت سنجیدگی سے جائزہ لینا شروع کر دیا۔ ایک طرف انگریز، سلطان کے گرد گھیرا تنگ کر چکے تھے، دوسری طرف ترک عوام کے اندر بغاوت کے جراثیم دن بہ دن بڑھ رہے تھے اور تیسری طرف نورسی جیسے زیرک لوگوں کو یہ احساس بھی ہو رہا تھا کہ کہیں اس انقلاب میں اسلام کا نقصان نہ ہو جائے اور لوگ اسلامی شعار سے منہ نہ موڑنے لگیں۔ نورسی کا یہ اندازہ آئندہ دنوں میں سو فیصد سچا ثابت ہوگیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دو سال تک استنبول میں ہی ٹھہرے رہے۔ وہ ایک دانشور، حریت پسند اور بے مثال عالم کی حیثیت سے خواص و عوام میں مقبول ہو رہے تھے۔ انہوں نے خصوصی اجلاسوں اور عوامی اجتماعات میں لوگوں کے اندر انقلاب کی روح پھونک دی اور انہیں اسلام اور امت مسلمہ سے اخلاص کی راہ پر گامزن رکھنے کی بھرپور کاوش کی۔

دعوت اعتدال و انقلاب

سعید نورسی اس اضطراب کے دوران اپنا نقطہ نظر اخبارات اور مجالس کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ وہ اس بیداری اور اضطراب کو اسلام سے برگذشتہ نہیں ہونے دینا چاہتے تھے اس دوران کی گئی تقاریر میں سے ایک کا خلاصہ ملاحظہ ہو:

''اے مظلوم اہالیان وطن! آؤ ہم شرعی قوانین کی چھتری کے نیچے آ جائیں جو ہمیں پکار پکار کر دعوت دے رہے ہیں۔ شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے انقلاب کی راہ ہموار کریں۔ اس منزل کی طرف جانے کا پہلا دروازہ دلوں کا اتحاد ہے۔ دوسرا دروازہ قومی غیرت و محبت ہے۔ تیسرا دروازہ تعلیم اور شعور ہے۔ چوتھا دروازہ انتھک محبت اور جدوجہد ہے اور پانچواں دروازہ گناہوں کو خیر آباد کہہ کر اپنے خالق سے رجوع ہے۔

خبردار اے اہلیان وطن! حریت کے غلط معنی نہ نکال لینا، ایسا نہ ہو کہ ہمارے ہاتھوں سے حریت بھی جاتی رہے اور شریعت بھی۔ یاد رکھو آزادی، قوانین کی پاسداری، شریعت پر عمل کرنے اور اعلیٰ اخلاق کے ساتھ کردار کو سنوارنے سے زندہ رہتی ہے اور پھلتی پھولتی ہے۔''

صاف ظاہر ہے عثمانی خلافت کے گرد جس سازشی ماحول نے گھیرے ڈال رکھے تھے اس میں یہود و نصاریٰ کی سازشیں زوروں پر تھیں۔ ایسے میں ایک شخص کی آواز کا کتنا اثر ہوسکتا تھا لیکن اس حقیقت کو جانتے ہوئے بھی سعید نورسی نے احقاق حق کے مشن سے ایک دن بھی قدم پیچھے نہیں ہٹایا۔

نورسی صاحب کے ساتھ ایک المیہ یہ بھی ہوتا رہا کہ ان کو اکثر و بیشتر ناکردہ گناہوں کی سزا بھی دی جاتی رہی۔ اسی قیام استنبول کے آخری دنوں میں ان پر باغیوں کو حکومت کے خلاف اکسانے کا مقدمہ قائم کیا گیا اور انہیں پھانسی کی سزا کے لئے قید کرلیا گیا حالانکہ مسلح بغاوت

پر آمادہ لوگوں کو نورسی صاحب نے سختی کے ساتھ خون خرابے سے منع کیا اور ایسی تحریک میں شامل ہونے سے صاف انکار کر دیا جس کے نتیجے میں خلافتِ عثمانیہ کی افواج سے مقابلہ کی نوبت آئے اور دونوں طرف سے مسلمانوں کا جانی اور مالی نقصان ہو مگر کسی سازش کے تحت یہ بغاوت پنپ گئی اور جب جانی نقصان ہوا تو اس کا سب سے بڑا مجرم نورسی صاحب کو ٹھہرایا گیا۔ جب فوجی عدالتی بینچ کے سامنے نورسی دلائل دے رہے تھے تو دوسری طرف باغ میں ۱۵ ایسے علماء کی لاشیں تختہ دار سے لٹکی ہوئی تھیں جو نفاذِ شریعت کے نعرے کے لئے مسلح جدوجہد منظّم کر رہے تھے۔ حالانکہ نورسی ایسی مزاحمتی تحریک کے مخالف تھے لیکن جب عدالت نے انہیں سوال کیا کہ کیا تم بھی نفاذ شریعت کے علمبردار ہو؟ جواب میں سعید نورسی نے عدالتی بینچ کو مخاطب کرکے فرمایا:

’’ جہاں تک شریعت کے نفاذ کی خواہش کا تعلق ہے تو شریعت محمدی ﷺ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ اس کی خاطر ایک جان تو کیا میری ہزار جانیں بھی ہوں تو انہیں قربان کرنے کو تیار ہوں۔ کیونکہ شریعت ہی سعادت ابدی اور حقیقی انصاف کا ذریعہ ہے مگر یہ قربانی اس طرح جائز نہیں جس طرح باغیوں نے دی‘‘۔

نورسی صاحب پر ایک مذہبی تنظیم ’’اتحادِ محمدی‘‘ کو منظّم کرنے کا بھی الزام تھا۔ عدالت نے ان سے دوسرا سوال یہ کیا کہ کیا تم ’’اتحادِ محمدی‘‘ میں شامل ہو۔ آپ نے کہا:

’’ہاں یہ میرے لئے فخر کی بات ہے کیونکہ اتحادِ محمدی ﷺ ایک آفاقی سلسلہ ہے جس کے افراد کی تعداد ۳۰۰ ملین ہے۔ سلسلہ نور سرمدی کا یہ دائرہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے۔ اس اتحاد کا نقطہ ارتباط توحید الٰہی ہے۔ اس کا عہد و پیمان ایمان ہے۔ اس کے ممبران کی رجسٹریشن لوح محفوظ میں ہو چکی ہے۔ اس اتحاد کا لٹریچر اسلامی ذخیرہ کتب ہیں جن کا منبع و مصدر قرآن ہے، اس اتحاد کے دفاتر مساجد اور دینی ادارے ہیں، اسکے بڑے مراکز مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ ہیں۔ اس قابل فخر جمعیت کے سرپرست اور رئیس ہمارے نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اس کا منشور یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اخلاق کو رسول اللہ ﷺ کے تابع کر دے اور پوری انسانیت کو سنتِ نبوی ﷺ کی طرف مائل کر دے۔‘‘

سعید نورسی نے عدالت میں بے باکانہ طریقے سے حقائق سے نقاب کشائی کی۔ آپ نے کہا:

’’ یہ حکومت دورِ استبداد میں عقل کی دشمن تھی اور اب یہ زندگی کی دشمن ہوگئی ہے۔ اگر یہ حکومت یہی کچھ کرتی رہی تو ہمارے لئے موت زندہ باد اور تمہارے لئے جہنم زندہ باد‘‘۔

بدیع الزماں یہ دلائل دیتے ہوئے خیال کر رہے تھے کہ ابھی مجھے پھانسی کی سزا سنا دی جائے گی مگر جب انہوں نے دلائل ختم کیے تو عدالتی بینچ نے انہیں حیران کن طریقے سے بری کر دیا۔ صرف یہی موقع نہیں انکی زندگی میں قدم قدم پر موت ان سے آنکھ مچولی کھیلتی رہی اور وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندگی کا فلسفہ سمجھاتے رہے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

کی

مخالفتوں کا ناقدانہ جائزہ

عبدالستار منہاجین

سنی سنائی بات پر یقین کرنا اور اُسے آگے پھیلانا ہماری قومی عادت ہے، حالانکہ ہم جس نبی اکرم ﷺ کے کلمہ گو ہیں، اُن کا فرمان ہے کہ ''کسی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات بلاتحقیق آگے بیان کرنے لگے۔''

من حیث القوم ہم ایسے قالب میں ڈھل چکے ہیں کہ ایک طرف تو ہم محض سنی سنائی بات پر ہی بلاتحقیق ساری زندگی یقین کئے رکھتے ہیں اور دُوسری طرف ہم کسی کی شخصیت میں موجود تمام تر خوبیوں سے عمداً صرفِ نظر کرتے ہوئے ساری زندگی اس کی محض کسی ایک آدھ خامی کو ہی کوستے رہتے ہیں۔ یوں بہت سی عظیم شخصیات ہمارے درمیان موجود ہوتی ہیں اور ہم اُن کی زندگی میں اُن سے قومی سطح پر کوئی فائدہ حاصل نہیں کر پاتے، البتہ اُن کے دنیا سے رُخصت ہو جانے کے بعد ہم اُن کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔

عمر بھر سنگ زنی کرتے رہے اہلِ وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اِعزاز کے ساتھ

یہ ایک حقیقت ہے کہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی شخصیت، صلاحیت اور قیادت بارے حتمی رائے قائم کرنے سے پہلے اگر کوئی مخالف بھی غیرجانبداری کے ساتھ براہِ راست ذرائع سے اُن کے کام کا جائزہ لے تو وہ کم ازکم اِتنا ضرور مانے گا کہ

1- شیخ الاسلام نے حکومت میں نہ ہوتے ہوئے بھی حکومتوں سے زیادہ مؤثر اور منظّم انداز میں قوم کی خدمت کی ہے۔

2- شیخ الاسلام نہ صرف پاکستان کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگانے اور دہشت گردی وظلم سے معمور دُنیا کو امن و سلامتی کا گہوارہ بنانے کا عزم و صلاحیت رکھتے ہیں بلکہ عملی طور پر اُس طرف گامزن بھی ہیں۔

شیخ الاسلام نے ایسی سائنسی بنیادوں پر اِسلام کا پیغام مغربی دُنیا کو پیش کیا کہ محترمہ بےنظیر بھٹو جیسے لوگوں کو یہ کہنا پڑا کہ ''جب ڈاکٹر طاہرالقادری جیسی شخصیت اِسلام کے حوالے سے اپنا نقطہ نظر دُنیا کے سامنے رکھتی ہے تو مجھے اطمینان، خوشی اور فخر محسوس ہوتا ہے کہ ہم اسلام جیسے آفاقی مذہب کے پیروکار ہیں۔'' شیخ الاسلام کی تجدیدی حکمتوں کے نتائج دیکھ کر اِسلام دُشمن طاقتیں فکر میں مبتلا ہو چکی ہیں اور وہ بکاؤ مال قسم کے لالچی لوگوں کو خرید کر شیخ الاسلام کے خلاف پروپیگنڈا کر کے اِحیائے ملتِ اسلامیہ کے عظیم مشن کو ناکام بنانے کی کوشش میں ہیں۔

مذہبی و سیاسی ہر دو قسم کی رکاوٹوں کے باوجود تحریکِ منہاج القرآن کی عالمگیر پذیرائی اور فروغ سے حسد کرنے والوں کی طرف سے بھی شیخ الاسلام کی ذات پر ملکی و بین الاقوامی سطح پر مخالفانہ پروپیگنڈا کی کمی نہیں۔ بقول جسٹس نسیم حسن شاہ: ''ہمارے ملک کی یہ بہت بڑی خامی ہے کہ

یہاں پڑھے لکھے اور مشنری جذبے سے کام کرنے والے انسانوں کی قدر نہیں ہوتی۔ اگر ڈاکٹر طاہرالقادری جیسا کوئی شخص باہر کی دُنیا میں موجود ہوتا تو اُس کا شمار صدی کے عظیم ترین لوگوں میں ضرور ہوتا، لیکن ہمارے یہاں پر جب انسان گزر جاتا ہے تو اُس کی قدر ہوتی ہے۔''

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا اِمروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کسی قوم کی تباہ شدہ حالت کو بدلنے اور اُسے بامِ عروج پر لے جانے کیلئے اللہ ربّ العزت نے کسی کو بھیجا، اُس معاشرے کے نام نہاد قائدین اور مالی لحاظ سے ممتاز حیثیت والے لوگوں نے ہمیشہ اُس کی مخالفت کی، کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ قوم اُن کی گرفت سے آزاد ہوسکے۔ ماضی میں ایسا سب کچھ انبیاء کرامؑ کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو آپ کی قوم نے معاذاللہ دیوانہ، مجنون اور جادوگر تک کہا اور سرورِ کائنات ﷺ ہر قسم کے مخالفانہ پروپیگنڈا کے سامنے ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہے اور تاریخ نے کامیابی کا وہ دن دیکھا جب اُسی قوم نے نہ صرف اِسلام قبول کر لیا بلکہ وہ فاتح عالم بنی۔ ختم نبوت کے بعد سے مصلحین اور مجددین کے ساتھ بھی معاشروں کے سرکردہ لوگوں کی وہی روِش جاری ہے۔ اپنی زندگی میں مصلحین اور مجددین کو اِس قدر شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا کہ زندگی اجیرن ہوگئی، مگر بعد از وفات اُنہیں اِمام کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

سیدنا ابوہریرہؓ سے مروی حدیث مبارکہ میں تاجدارِ کائنات ﷺ نے فرمایا:

اِنّ اللّٰہَ یَبعَثُ عَلَی رَاْسِ کُلِّ سَنَۃٍ مَنْ یُجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا

''بیشک اللہ تعالیٰ ہرصدی کے سرے پر کسی کو اِس اُمت کیلئے دین کی تجدید کا فریضہ دے کر بھیجے گا۔'' (سنن ابوداؤد)

چنانچہ جس صدی میں جس سطح کا زوال تھا، اللہ ربّ العزت نے اُس زوال کے خاتمے کیلئے اُسی سطح کی تجدیدی ذمہ داری کے ساتھ مجدد کو بھیجا۔ رواں صدی میں مسلمانوں کے ہمہ جہتی زوال کے پیش نظر تجدید کی ذمہ داری بھی ہمہ جہتی نوعیت کی ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

لَایَقُوْمُ بِدِیْنِ اللّٰہِ اِلا مَنْ اَحَاطَہٗ مِنْ جَمِیْعِ جَوَانِبِہٖ

ترجمہ: ''(ہمہ جہتی زوال کے بعد) اللہ کے دین کو صرف وُہی قائم کر سکے گا جو اُسکے تمام پہلوؤں کا اِحاطہ کرے گا۔''

پچھلی صدی میں فرقہ پرستی کے چنگل میں پھنسی اُمتِ مسلمہ کے ہاں دین کا تصورِ جامعیت پارہ پارہ ہوچکا تھا اور ہر فرقہ اپنے حسبِ ذوق دین کا کوئی ایک جزو لئے ہوئے خوش تھا۔ ایسی ہی صورتحال کے حوالے سے اللہ ربّ العزت کا فرمان ہے:

فَتَقَطَّعُوا اَمْرَھُمْ بَیْنَھُمْ زُبُرًا کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَیْھِمْ فَرِحُوْنَ۔ (المؤمنون، ۲۳ : ۵۳)

ترجمہ: ''پس اُنہوں نے اپنے (دین کے) امر کو آپس میں اِختلاف کرکے فرقہ فرقہ کر ڈالا، ہر فرقہ والے اُسی قدر (دین کے حصہ) سے جو اُن کے پاس ہے خوش ہیں۔''

آج ایسے وقت میں جب دین اور دُنیا کی ثنویت (duality) کا فتنہ عروج پر تھا اور اسلام جیسے عظیم معاشرتی دین کے تصورِ اِجتماعت کو پارہ پارہ کرکے اُسے عیسائیت کی طرح ایک ناکام مذہب ثابت کرنے کیلئے مسجدوں میں بند کرنے کی سازشیں زور پکڑ رہی تھیں، تاکہ معاشرے اُس کے فیوضات سے محروم ہو سکیں، شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے دین کے ہمہ جہتی زوال کو عروج میں بدلنے کیلئے عالمگیر تجدید کا کام شروع کیا، جن کی ولادت 12 جمادی الاوّل 1370 ہجری (19 فروری 1951ء) کو ہوئی۔ حدیث مبارکہ کے عین مطابق اگلی صدی کے سرے پر یعنی 8 ذوالحجہ 1400 ہجری بمطابق (17 اکتوبر 1981ء) کو اِدارہ منہاج القرآن کی بنیاد رکھ کر شیخ الاسلام نے اپنی تجدیدی کاوشوں کا آغاز کر دیا اور صرف 30 سال کے قلیل عرصہ میں علمی و فکری، تحقیقی و تعلیمی اور عملی میدانوں میں ایسے ہمہ جہت

کارہائے نمایاں سرانجام دیئے جن کے لئے صدیاں درکار ہوتی ہیں۔ (سردست ہمارا موضوع آپ کی خدمات کی اِحاطہ کرنا نہیں ہے۔ آپ کی خدمات سیکڑوں تصانیف، ہزاروں خطابات اور بے شمار اِداروں کی شکل میں کھلی کتاب کی مانند زمین پر موجود ہے، جن تک ہر خاص و عام کو رسائی حاصل ہے، بشرطیکہ وہ کھلے دل کے ساتھ آگہی کا خواہشمند ہو۔)

شیخ الاسلام کی مخالفت کے اسباب

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے خلاف جاری منفی پروپیگنڈا کے بالعموم تین اَسباب ہیں:

1- ناسمجھی : روایتی مذہبی ذہن کا آپ کی تجدیدی حکمتیں نہ سمجھ سکنے کی بناء پر مخالفت کرنا

2- حسد : حاسدین کا اپنے مفاد کا نقصان دیکھ کر حسد اور بغض کی بناء پر مخالفت کرنا

3- لالچ : کاروباری ملاؤں کا اِسلام دُشمن طاقتوں کے ایماء پر اُن کی طرف سے ملنے والی مالی اِمداد کے لالچ میں آ کر مخالفت کرنا

اب ہم باری باری ان تینوں اَسباب کا جائزہ پیش کرتے ہیں:

مخالفتوں کا پہلا سبب: ناسمجھی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی مخالفتوں کا ایک بڑا سبب روایتی مذہبی ذہن کے لوگوں کا آپ کی 'تجدیدی حکمتوں' کو سمجھ نہ سکنا ہے۔ آپ کی جملہ تجدیدی خدمات کی حکمتوں میں سے ایک یہ ہے کہ آپ نے اِسلام کے نام لیواؤں کے طرزِ عمل سے متنفر ہو کر دین سے بیزار ہو جانے والے مسلمانوں کو گمراہی کی زندگی سے واپس دین کی طرف بلایا۔ آپ نے پہلے سے دین پر قائم لوگوں سے کئی گنا زیادہ محنت مختلف طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے اُن لوگوں پر کی جو دین سے برگشتہ ہو چکے تھے۔

نئے لوگوں کو دین کی طرف بلانے کے لئے آپ نے سیرتِ طیبہ کی روشنی میں دین کا اِنتہائی لچکدار رویہ اُن کے سامنے رکھا، جس کے نتیجے میں اُنہیں دین کی تعلیمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ آپ کے اِس لچکدار رویہ کو اِنتہا پسندوں اور روایتی مذہبی ذہن کے حاملین نے نفرت کی نگاہ سے دیکھا اور آپ کے خلاف فتویٰ بازی شروع کر دی۔ عورت کی پوری دیت کا معاملہ ہو یا سر پر عمامہ کی بجائے ٹوپی رکھنے کا معمول، اپنے پیروکاروں پر لمبی داڑھی رکھنے کی پابندی نہ لگانا ہو یا موسیقی، فوٹوگرافی اور ویڈیوگرافی وغیرہ کو ایک حد تک مشروع رکھنا، ان سب میں ایسی بے شمار حکمتیں کارفرما ہیں جنہیں روایتی مذہبی ذہن سمجھ نہیں پایا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تجدیدی حکمتیں اپنے نتائج کے ساتھ لوگوں کو سمجھ آنے لگ جائیں گی، جیسے دینی تعلیمی اِداروں میں دُنیوی تعلیم کو لازمی قرار دینے کی حکمت بہت سوں کو سمجھ آنے لگ گئی ہے۔ اِسی طرح ایک وقت تھا جب شیخ الاسلام پر تصویر بنانے اور خطابات کی ویڈیو ریکارڈنگ کروانے کی بناء پر فتوے لگائے جاتے تھے، مگر وقت کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اُس تجدیدی حکمت کی سمجھ آنے لگ گئی، حتیٰ کہ فتوے لگانے والی بعض جماعتوں نے اب اپنے ٹی وی چینل بنا رکھے ہیں۔ ایک وقت آئے گا کہ یہی قوم آپ کی تجدیدی حکمتوں کے نتائج دیکھ کر آپ کی گرویدا ہو جائے گی، مگر تب ایسے ناسمجھوں کے لئے صرف حسرتیں باقی رہ جائیں گی۔ (ان شاء اللہ اگلے شمارے میں "شیخ الاسلام کی تجدیدی حکمتیں اور اُن کے نتائج"، پر مبنی تفصیلی مضمون شائع ہو رہا ہے۔)

مخالفتوں کا دُوسرا سبب: حسد

آج کل کے دور میں قیادت ہمیشہ قوم کے بل پر تصور ہوتی ہے۔ جتنے زیادہ لوگ کسی لیڈر کے ساتھ ہوں وہ اُتنا بڑا لیڈر کہلاتا ہے، اِسی طرح جتنے زیادہ لوگ کسی عالم کے پیروکار ہوں وہ اُتنا بڑا علامہ کہلاتا ہے۔ جب ہمہ جہتی زوال کے خاتمہ کیلئے شیخ الاسلام نے ہمہ جہتی اِصلاحات کا

آغاز کیا تو جب جس پہلو میں اِصلاحی خدمات کا آغاز ہوا تب اُس پہلو کے ٹھیکیداروں نے اپنے تحفظات کے پیشِ نظر شور مچانا شروع کردیا۔ ان اِصلاحی خدمات کے دوران جب جس فرقہ اور گروہ کی تعلیمات کو حقیقی اِسلامی تعلیمات کے ساتھ موازنہ کرکے پرکھا جانے لگا اور حق و باطل میں فرق صاف نظر آنے لگا تو اُس فرقے کے عمائدین (لیڈر) اپنے عقیدت مندوں کی تعداد کم ہوتی دیکھ کر چیخنے لگے۔ جس گروہ کے پاس اپنے حسبِ ذوق دین کا جو جزو جس بھی حالت میں تھا، وہ اُسی کے حوالے سے پریشان ہوا۔

ہر بات کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنے کے دعویداروں نے جب شیخ الاسلام کے قلم اور زبان سے عقائدِ اہلسنت کی تائید میں قرآن وسنت کے دلائل کا اَنبار دیکھا تو وہ گھبرا گئے اور بلاجواز و بلادلیلِ شرعی بات بات پر شرک اور بدعت کی تہمتیں لگانے لگے۔ امام اعظمؒ کو معاذاللہ حدیثِ رسول کا مخالف قرار دینے اور گزشتہ کئی نسلوں سے فقہ حنفی کے خلاف زہر اُگلنے والوں کو شیخ الاسلام کی تحقیق سے اِمام اعظمؒ کا ''امام الائمہ فی الحدیث'' ثابت ہونا کیونکر قبول ہوسکتا تھا! اِسی طرح دورۂ صحیح بخاری و صحیح مسلم کے دوران اِمام بخاریؒ و اِمام مسلمؒ کے عقائد کا بیان خود کو حدیثِ نبوی کا اکلوتا وارث سمجھنے والوں کو ذرا نہ بھایا اور وہ شیخ الاسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈا کو ہرممکن حدتک تیز سے تیزتر کرنے لگے۔

خارجی عقائد سے مزین ہونے کے باوجود اہل سنت کا ٹائٹل اِختیار کرکے خود کو دین کا اصل وارث سمجھنے والا گروہ شیخ الاسلام کی تصانیف اور خطابات میں جابجا اہلسنت والجماعت کے حقیقی عقائد کی تائید میں قرآن و سنت کے دلائل کا اَنبار دیکھ کر پشیمان ہوا۔ شیخ الاسلام کے دلائل کے سامنے اُن کی ایک نہ چلی اور وہ اہل سنت کا ٹائٹل واپس سوادِ اعظم کی طرف پلٹتا دیکھ کر گھبرا گئے اور مختلف حیلوں بہانوں سے کبھی شیخ الاسلام کے دروسِ تصوف و رُوحانیت کے خلاف بیان بازی اور کبھی میلاد مصطفیٰ ﷺ کو بدعت ثابت کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔ دفاعِ شانِ علیؑ پر شیخ الاسلام کے خطابات سے اُن کا حقیقی چہرہ بے نقاب ہوا تو وہ مزید اوچھی حرکتوں پر اُتر آئے۔

صحابۂ کرامؓ کے نام پر اپنے من گھڑت نظریات کی دکان چلانے والے اہلِ بیتِ اَطہارؑ کی شان سن کر پریشان ہوئے۔ شیعہ کو واجب القتل قرار دے کر قوم کو فرقہ پرستی کی آگ میں جھونکنے والوں کیلئے یہ منظر ناقابلِ قبول تھا کہ سنیوں کی زبان سے اہلِ بیتِ اطہارؑ کے حق میں اور شیعوں کی زبان سے صحابۂ کرامؓ کے حق میں نعرے بلند ہوں۔ اُلٹا شیعہ سنی بھائی بھائی کے نعرے سن کر اُنہیں اپنی دکانداری خطرے میں نظر آئی تو اُنہوں نے شیخ الاسلام کی ہرممکن انداز میں کردارکشی کی۔ مگر تاریخ گواہ ہے کہ شیخ الاسلام نے جواب میں کبھی اُن جیسی زبان اِستعمال نہ کی اور وہ اپنی موت آپ مر گئے۔

اہلِ بیت اطہارؑ کی محبت کی آڑ میں صحابہ کرامؓ پر زبانِ طعن دراز کرنے والوں اور صحابہ کرامؓ کو معاذاللہ منافق قرار دینے والوں کو شیخ الاسلام کی زبانِ حق ترجمان سے دفاعِ شانِ صحابہ پر 48 گھنٹے طویل دلائل کا اَنبار قطعی پسند نہ آیا۔ شیخ الاسلام نے اہلِ تشیع ہی کی کتب سے صحابۂ کرامؓ کے حق میں اِس قدر دلائل دیئے کہ کوئی ذِی شعور اُنہیں سن لینے کے بعد ماننے سے اِنکار نہیں کرسکتا، مگر جن کی دکانداری کو خطرہ ہو وہ کیسے مانیں! چنانچہ جو پہلے اہل بیت اطہارؑ کی شان میں شیخ الاسلام کے خطابات سن کر سر دھنتے تھے اب اُنہیں شانِ صحابہ کرامؓ کا علمی دفاع قطعی پسند نہ آیا اور وہ صدیوں پر محیط اِعتدال و توازن سے ہٹی روِش کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ ہوئے بلکہ اُلٹا مختلف حیلوں بہانوں سے آپ کی کردارکشی میں مصروف ہوگئے۔

سوادِ اعظم کے زعم میں مبتلا ہو کر اپنے سوا باقی تمام فرقوں کو کافر قرار دینے والوں نے ''اپنا عقیدہ چھوڑو مت اور دوسرے کا عقیدہ چھیڑو مت'' کی حکمت نہ سمجھ سکنے اور ادب و گستاخی کے معاملے کو اِنفرادی عمل قرار دیتے ہوئے

پورے فرقے کو کافر قرار نہ دینے کے جرم کی پاداش میں شیخ الاسلام پر ''صلح کلیت'' کا ٹائٹل لگا کر اُنہیں دائرۂ اِسلام سے نکال باہر کرنے کا اِعلان کر دیا۔ خود کو بریلویت کے دائرے میں محدود کر لینے والوں کو اِس ٹائٹل کے بغیر ہر شخص غیر مسلم دکھائی دینے لگا۔ اُن کی سادہ لوحی پر کیا کہیئے کہ اُنہیں ساری زندگی اِتنی بات کی سمجھ نہیں آ سکی کہ یہ خودساختہ ٹائٹل تو محض برصغیر میں پایا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ لفظ ''بریلویت'' کی بجائے ''اہلِ سنت'' کے ٹائٹل کی بحالی دیکھ کر گھبرانے لگے اور صرف مسلمان کہلانا اُنہیں ناگوار گزرا۔

تقلیدِ محض کے حاملین اِجتہاد کے لفظ سے خوف کھا کر مخالفت پر اُتر آئے۔ اُنہیں عورت کی دیت جیسے معمولی فقہی مسائل پر شیخ الاسلام کا اِجتہادی مؤقف جان کر یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں اِس سے دین کی اصل روح نہ غائب ہو جائے۔ وہ دیت جیسے فقہی مسئلے کو توحید و رسالت جیسے اِسلام کے بنیادی ستونوں کی طرح اہم قرار دینے لگے۔ اُن کے نزدیک اِمام اعظمؒ کے فتویٰ سے اِختلاف ایمان سے خالی ہونے کے مترادف ٹھہرا اور وہ یہ بھول گئے کہ فقہ حنفی کی ہر کتاب میں جابجا امام اعظمؒ سے اُن کے شاگردوں کا اُسی دور میں اِختلاف موجود ہے، جبکہ شیخ الاسلام کا زمانہ تو امام اعظمؒ سے صدیوں بعد کا زمانہ ہے، جب مرورِ زمانہ سے حالات یکسر تبدیل ہو چکے ہیں۔ اِجتہاد سے خائف علماء اِس پر بھی قائل نہ ہو سکے کہ اِسلام کو جدید دور کے بین الاقوامی اِشاعتی تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے پیش کرنا کیوں ضروری ہے!

شیخ الاسلام نے جب برصغیر میں تصوف میں در آنے والے بگاڑ کی اِصلاح کی طرف توجہ دلائی تو نام نہاد صوفی اپنی دکانداری بند ہوتی دیکھ کر چیخے چلائے اور شیخ الاسلام کو خارج از اہلِ سنت حتیٰ کہ یہودیوں کا ایجنٹ تک قرار دینے لگے، مگر اُن کا کاروبار بحال نہ ہوسکا۔

شیخ الاسلام نے جب ''آمدِ اِمام مہدیؑ'' کے حوالے سے اُٹھنے والے فتنے کا سدِباب کیا تو لوگوں کی عقیدتوں کا مرکز بننے کے شوق میں خود کو اِمام مہدی قرار دینے کی تیاری میں مصروف فتنہ گروں کی جڑیں کٹ گئیں اور وہ آپ کے خلاف پروپیگنڈا میں اپنا حصہ ڈالنے لگے۔

شیخ الاسلام کی زبانِ حق ترجمان سے ختم نبوت کی علمی و قانونی حیثیت جاننے کے بعد جھوٹے نبی کے اُمتیوں کا مقصدِ وُجود خطرے میں پڑ گیا اور وہ خود کو بچانے کے لئے شیخ الاسلام کے خلاف ہر ممکن پروپیگنڈا کا سہارا لینے لگے۔ کبھی وہ مغربی دُنیا کو آپ کا خطرناک حد تک بنیاد پرست اور اِنتہاپسند ہونا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو کبھی شیخ الاسلام کے خطابات کی قطع و برید کر کے اپنے جھوٹے نبی کی حقانیت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اُن کی ساری کوششیں رائیگاں ہی جائیں گی اور اللہ ربّ العزت کا فیصلہ ثابت ہو کر رہے گا۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے حسد میں تمام فرقوں کا یوں متفق ہو کر تنقید کرنا، ایک دُوسرے پر کفر و شرک کے فتوے لگانے والوں کا آپ کے خلاف منفی پروپیگنڈا میں ایک دوسرے کی بھرپور مدد کرنا، حتیٰ کہ مرتدین کا بھی اس مہم میں بڑھ چڑھ کر شریک ہونا، آپ کی سرپرستی میں جاری عظیم مصطفوی مشن کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ بقول اقبال

یہ اِتفاق مبارک ہو مومنوں کے لئے
کہ یک زباں ہیں فقیہانِ شہر میرے خلاف

مخالفتوں کا تیسرا سبب: لالچ

شیخ الاسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈا کا تیسرا بڑا سبب لالچ ہے۔ زوال کی اِنتہاؤں کو چھونے والے اِس دور میں جن علمائے سُوء نے اپنا دین و ایمان فقط دولتِ دُنیا کو بنا رکھا ہے، اُنہوں نے آپ کی سیاسی و اِنقلابی جدوجہد کے دَور میں دُنیادار سیاستدانوں کے اِشاروں پر کئی بار فتویٰ زنی کی۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہر بار جب بھی شیخ الاسلام نے مصطفوی

اِنقلاب کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مغربی ایجنڈا نافذ کرنے والے حکمرانوں کے خلاف ٹکر لی، الیکشن کے دن قریب آئے تو عوام الناس کو بدظن کرنے کے لئے تنخواہ دار فتویٰ بازوں کی فوج میدان میں اُتر آئی اور اُنہوں نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں، اَخبارات اور رسالوں میں، ہر طرف کردارکشی کا ماحول گرم کرنا شروع کر دیا۔

سال 2002ء میں پاکستانی نظامِ انتخابات سے علیحدگی کے فیصلے کے بعد لالچی فتویٰ بازوں کے فتووں کا سیلاب تھم گیا تھا۔ مگر مارچ 2010ء کے بعد اچانک اُس سیلاب میں سونامی کا منظر دکھائی دیکھنے لگا۔ فرق صرف اِتنا تھا کہ ماضی میں بعض مفاد پرست سیاسی جماعتیں اُنہیں اپنے مقصد کے لئے خریدتی تھیں جبکہ اِس بار اُن کے غیرملکی آقاؤں نے اُنہیں کافی مہنگے داموں خریدا ہے۔

مارچ 2010ء میں دہشت گردی کے خلاف فتویٰ جاری کر کے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری نے عالم اسلام کو اِسلام دُشمن طاقتوں اور خارجیوں کی مشترکہ تباہ کن چال سے بچا لیا۔ اس فتویٰ کے ذریعہ آپ نے دُہرا کام کیا، ایک طرف خارجیوں کا قلع قمع کرنے کیلئے اُنہیں بے نقاب کیا تو دُوسری طرف مغربی دُنیا میں اِسلام کو دہشت گردی کے ساتھ نتھی کرنے کے عمل کا سدِباب بھی کیا۔

1- دہشت گردی کے خلاف فتویٰ سے لفظِ ’’جہاد‘‘ کے مثبت معنی کی بحالی ممکن ہوئی، جبکہ اُس سے قبل مغربی دُنیا میں غیرمسلموں کے قتل کو جائز قرار دینے کو بطورِ جہاد متعارف کروایا گیا تھا۔
2- دہشت گردی کے خلاف فتویٰ سے لفظِ ’’فتویٰ‘‘ کے مثبت معنی سے مغربی دُنیا روشناس ہوئی، جبکہ اُس سے قبل فتویٰ کا لفظ مغربی دُنیا میں قتل و غارت گری کے جواز کے طور پر مشہور تھا۔

یوں دہشت گردی کے خلاف فتویٰ کے ذریعہ سے شیخ الاسلام نے اُن کی ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔ دراصل وہ طاقتیں نہیں چاہتیں کہ عالمی سطح پر اَمن قائم ہو اور مغربی دُنیا کیلئے اِسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے، چنانچہ وہ کسی نہ کسی بہانے اِسلام کے خلاف پروپیگنڈا جاری رکھتی ہیں۔ اُنہیں معلوم ہے کہ اگر اِسلام کا حقیقی چہرہ مغربی دُنیا کی نوجوان نسلوں کے سامنے آ گیا تو یورپ اور امریکہ میں قبولیتِ اسلام کی شرح کئی گنا بڑھ جائے گی۔ سوویت یونین کی شکست کے بعد سے اِسلام اور دہشت گردی کو جوڑتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف جاری پروپیگنڈا جب اپنے عروج پر پہنچا تو ضربِ یداللّٰہی نے اُسے پارہ پارہ کرنے کے لئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری سے یہ عظیم کام لیا۔ گزشتہ تین دہائیوں میں اِسلام کو مقید کرنے کیلئے بُنے گئے جال میں سوراخ ہوتا دیکھ کر وہ طاقتیں بوکھلا گئیں اور اُنہوں نے کئی مختلف محاذوں پر بیک وقت وار کرنے کی ٹھانی۔

پہلا محاذ: بین المذاہب رواداری کے خلاف پروپیگنڈا

پاکستان بیرونی دُنیا میں دہشت گردی کو فروغ دینے والے ملک کے طور پر مشہور ہے۔ علاوہ ازیں عالمی میڈیا پاکستان کو مزید بدنام کرنے کیلئے مغربی دُنیا کو ہمیشہ مسلم کرسچین فسادات کی خبریں نمایاں کر کے دکھاتا ہے۔ چنانچہ مغربی دُنیا کے تھنک ٹینکس اِس بات کو نہ سمجھ پائے کہ پاکستان جیسے ملک میں (جہاں سے ہمیشہ مسلمانوں کے عیسائیوں کو مارنے کی خبریں ریلیز ہوتی ہوں) وہیں سے ایک نامور مسلمان عالم دین کا مسیحیوں کے ساتھ مل کر اَمن کی شمع روشن کرنا، بین المذاہب رواداری کے فروغ کے لئے علامتی طور پر اُنہیں اپنے مرکز پر مدعو کر کے کرسمس کے کیک کاٹنا، سنتِ نبوی ﷺ کی اِتباع میں اُنہیں اپنی مسجد میں عبادت کرنے کی اِجازت دینا اور قرآن مجید اور بائبل کا ایکسچینج کرنا، ان اُمور پر انہیں شدید تعجب ہوا۔ چنانچہ اُنہوں نے سوچا کہ بین المذاہب رواداری کو شیخ الاسلام کا کمزور پہلو بنا کر خوب پروپیگنڈا کیا جائے تو سادہ لوح مسلمانوں کو اُن کے خلاف اُبھارا جا سکتا

ہے۔ اِس پہلو پر وار کرنے کیلئے اُنہوں نے اِنتہائی پلاننگ کے ساتھ کچھ ایسے لالچی فتویٰ باز خریدنے کا فیصلہ کیا جن کا تعلق بالخصوص سوادِ اعظم سے تھا، تاکہ لوگ اُن کے فتووں کو مسلکی مخالفت والی فتویٰ بازی سمجھ کر معمولی نہ لیں اور اُس مخالفت میں زیادہ سے زیادہ جان ڈالی جا سکے۔

وہ یہ بات جانتے ہیں کہ تحریکِ منہاج القرآن کی کوششوں سے گرجوں میں میلادِ مصطفیٰ ﷺ کانفرنس کے اِنعقاد کے خلاف سوادِ اعظم سے وابستہ فتویٰ باز علماء نہیں بول پائیں گے، چنانچہ اُس کا جواب دینے کیلئے اُنہوں نے میلادِ مصطفیٰ ﷺ کو بدعت قرار دینے والوں کو آگے کرنے کا پلان بنایا۔ یعنی باقی ساری فتویٰ بازی تو سوادِ اعظم سے وابستہ لوگ کریں مگر چرچ میں میلاد کی اِفادیت کی نفی کرنے کی ذمہ داری میلاد کو بدعت کہنے والوں کو سونپی گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اِنٹرنیٹ پر جاری بحثوں میں جب کسی کو چرچ میں ہونے والی محفلِ قرأت و نعت اور محفلِ میلاد کا بتایا جائے تو اُس کے لاجواب ہونے پر میلاد کو بدعت قرار دینے والے فرقے کے لوگ مدد کو آن ٹپکتے ہیں۔ یوں ایک دُوسرے کو کافر و مشرک قرار دینے والے فرقے بھی شیخ الاسلام کے خلاف مہم میں ایک دُوسرے کا ساتھ دیتے نظر آتے ہیں، جس سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ اُن کے پیچھے کوئی منظّم ہاتھ کارفرما ہے۔ وہ محض ناسمجھی یا بغض و حسد کی وجہ سے مخالفت نہیں کر رہے بلکہ کوئی خارجی ہاتھ اُنہیں کٹھ پتلی کے طور پر اِستعمال کر رہا ہے۔

(بین المذاہب رواداری کے فروغ کے حوالے سے شرعی دلائل کیلئے ''العلماء'' جولائی 2011ء ملاحظہ فرمائیں)

دُوسرا محاذ: نام نہاد بدعات کا واویلا

دُوسرے پہلو پر وار کرنے کیلئے اُن تھنک ٹینکس نے ایسے لوگ خریدے جو شیخ الاسلام کی طرف بدعات منسوب کرکے اُنہیں بدنام کرسکیں تاکہ اُن کے مشن کے ساتھ تیزی سے منسلک ہونے والے لوگوں کی شرح کو کم کیا جا سکے اور قوم آپ کی تعلیمات کو مسترد کر دے۔ بدعات کے ٹائٹل پر مبنی یہ کام چونکہ سوادِ اعظم سے منسلک کوئی عالم نہیں کر سکتا تھا، چنانچہ اِس کام کیلئے بیرون ملکی خرچے پر پلنے والے خارجیوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اُنہیں اُن کی منہ مانگی رقم کے عوض شیخ الاسلام کی شخصیت کو داغدار کرنے کیلئے قرآن و سنت کی تعلیمات کو توڑمروڑ کر پیش کرنے کا منصب سونپا گیا، چنانچہ اُنہوں نے ہر اُس مسئلہ کو ہاتھ ڈالا جس میں ذرا بھی گنجائش تھی اور منفی پروپیگنڈا کے لئے صرف اِنٹرنیٹ پر اِکتفاء نہیں کیا بلکہ CDs بنا کر مفت تقسیم کروائیں۔ یہی نہیں بلکہ اُنہوں نے ہر اُس عالم دین سے رابطہ کیا جو شیخ الاسلام سے متعلق معمولی سا بھی نرم گوشہ رکھتا ہو، اور اُسے کسی نہ کسی طرح شیخ الاسلام کے خلاف بیان دینے پر آمادہ کیا۔ اِس سلسلہ میں مولانا زبیر احمد ظہیر کے گھر جا کر 'عرفان القرآن' کے خلاف بیان ریکارڈ کروا کر انٹرنیٹ پر پھیلایا، اِسی طرح مولانا محمد اسحاق جیسے معتدل مزاج اہلحدیث عالم سے خفیہ طور پر آڈیو بیان ریکارڈ کر کے پھیلایا۔ ایسی اوچھی حرکتوں سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اِس سب کچھ کے پیچھے ایک منظّم گروہ موجود ہے، جو شیخ الاسلام کو ناکام کرنے کیلئے آئے روز نت نئے حربے آزماتا ہے۔ کبھی یہ گروہ 'قدم بوسی' کو معاذاللہ سجدہ کے نام سے مشہور کرتا ہے تو کبھی 'تلقینِ میت' کے مسنون عمل کو بدعت قرار دے کر انٹرنیٹ پر اور CDs بنا کر اُچھالتا ہے۔ الغرض بے شمار اِلزامات کی بوچھاڑ کے باوجود شیخ الاسلام کا مشن روز بروز آگے سے آگے نکلتا چلا جا رہا ہے۔

شیخ الاسلام کی راہ میں روڑے اَٹکانے کے فریضہ پر کاربند مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے نام نہاد علماء آپس میں ایک دُوسرے کو بھی کافر اور مشرک ہی قرار دیتے ہیں، مگر مشترکہ مقصد کے حصول کے لئے ایک دُوسرے کے ساتھ بڑھ چڑھ کر تعاون بھی فرما رہے ہیں۔

ایسے میں پریشان ہو کر مخالفین مل بیٹھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ہم نے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کو بدنام اور

ناکام کرنے کی کون سی کوشش نہیں کی، مگر اُس کے باوجود سب بے کار ہے۔ ہم نے ہر حربہ آزمایا مگر ہماری ہر کوشش رائیگاں گئی اور اُن کے پیروکاروں کی تعداد میں آئے روز اِضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اسی اثناء میں ایک ذہین شخص رائے دیتا ہے کہ تمام فرقوں سے تعلق رکھنے والے مخالفین میں ایک قدرِ مشترک ہے اور وہ ہے غیر سنجیدہ پن، شاید یہی وجہ ہے کہ بریلوی، دیوبندی، وہابی، شیعہ حتیٰ کہ قادیانیوں تک کی آپ کے خلاف تمام کوششیں ناکام رہی ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ طے کرتے ہیں کہ اب شیخ الاسلام کی علمی کاوِشوں کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے لئے ان کا اِنتہائی سنجیدہ انداز میں ناقدانہ جائزہ پیش کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ’’تحقیق‘‘ کا آغاز ہو چکا ہے۔ پہلی اینٹ کے طور پر ایک صاحب نے شیخ الاسلام کی تصانیف سے کیڑے نکالنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے اور اسے انٹرنیٹ پر شائع کرتے ہوئے اپنے حواریوں کو یہ سبق دیا ہے کہ اُن میں سے ہر کوئی شیخ الاسلام کی کم از کم ایک کتاب پر اسی سطح کی ’’تحقیق‘‘ کرے۔ چنانچہ محققین کی فوج عنقریب حرکت میں آ رہی ہے اور یوں اللہ ربّ العزت شیخ الاسلام کے مخالفین کے ذریعے سے بھی آپ کے مشن کو فائدہ ہی دے گا۔ ان شاء اللہ

تیسرا محاذ: میڈیا کی کڑی نگرانی

میڈیا پر تحریک کی پذیرائی کی کڑی نگرانی کیلئے بکاؤمال قسم کے نام نہاد دانشوروں کی ایک سپیشل ٹیم تحریکِ منہاج القرآن کی ویب سائٹس پر شائع ہونے والی خبروں کے علاوہ عالمی میڈیا میں ’دہشت گردی کے خلاف فتویٰ‘ کی پذیرائی اور عالمی امن کیلئے کی جانے والی کوششوں سے متعلقہ خبروں کے تعاقب میں بٹھائی گئی ہے، جو شیخ الاسلام کی عالمی کامیابیوں پر مسلسل نظر رکھے ہوئے ہے اور وہ انٹرنیٹ پر مختلف کمیونٹی ویب سائٹس پر ڈسکشن کے دوران اور دیگر ویب سائٹس میں آرٹیکلز لکھ لکھ کر اُن خبروں کی اہمیت کم کرنے کا فریضہ نبھا رہی ہے، تاکہ تحریکی کارکنوں کا مورال پست کیا جا سکے اور شیخ الاسلام کو عالمی سطح پر محنت اور لگن کے ساتھ مسلم دُنیا کا مقدمہ لڑنے میں جو کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں قوم کو اُن سے بے خبر رکھا جا سکے، نیز پاکستانی میڈیا کو اُن تاریخی کامیابیوں کی کوریج سے باز رکھا جا سکے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مارچ 2010ء کے بعد سے شیخ الاسلام کی طرف سے عالمی قیامِ امن کی کاوشوں کے حوالے سے انٹرنیشنل نیوز چینلوں پر بھرپور کوریج کے علاوہ اَخبارات اور انٹرنیٹ پر لاکھوں ویب صفحات شائع ہو چکے ہیں، مگر پاکستانی قوم کو اُس کے اَثرات سے محفوظ رکھنے کیلئے نہ صرف ملکی میڈیا ایسی خبروں کو ریلیز کرنے سے ہچکچاتا ہے بلکہ انٹرنیٹ پر پاکستانی کمیونٹی کی ویب سائٹس میں اُن خبروں کی اہمیت کم کر کے پیش کرنے کی مہم بھی جاری ہے تاکہ پاکستانی قوم کو آپ کی عالمی کاوِشوں کے ثمرات سے محروم رکھا جا سکے۔

رفقاء و وابستگان کیلئے پیغام

تاجدارِ کائنات ﷺ کا طرزِ عمل ہی ایک مسلمان کی زندگی میں بہترین قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات پر، آپ کی اَزواجِ مطہرات پر طرح طرح کے نازیبا اِلزامات لگے مگر آپ نے قطعی طور پر کوئی جوابی گالی نہیں دی، کبھی بددعا نہیں دی، آپ کی سیرتِ طیبہ سے منور صحابہ کرامؓ میں سے بھی کسی نے جذبات میں آ کر دشمنانِ اِسلام کا گریبان نہیں پکڑا۔ حتیٰ کہ طائف کے بازاروں میں قوم نے جب آپ کو لہولہان کر دیا اور فرشتوں کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا، جبرئیل امین طائف کے مکینوں کو دو پہاڑوں کے درمیان پیس دینے کے اِرادے سے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مگر آپ ﷺ نے اِجازت نہ دی۔ اِس سطح کی بدسلوکی کے جواب میں بھی رحمت للعالمین ﷺ نے اُن کے حق میں فقط دعا ہی کی اور جبرئیل امین کو یہ فرما کر روک دیا کہ یہ نہ سہی شاید

ان کی اگلی نسلیں ایمان لے آئیں۔

چنانچہ سیرتِ طیبہ کی روشنی میں مصطفوی کارکنوں کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی کی گالی کے جواب میں اُسے گالی دیں۔ ہمارا مقابلہ کردار کا مقابلہ ہے۔ مخالف اپنی بدکرداری میں جتنا بھی نیچے اُتر جائے ہمیں اپنے مصطفوی کردار کے ساتھ اُس کے سامنے سینہ سپر رہنا ہے۔ اگر ہم مصطفوی کارکن ہیں اور مصطفیٰ کریم ﷺ کے مشن کی کامیابی چاہتے ہیں تو ہمیں مصطفوی سیرت کو اپنانا ہوگا۔

یاد رکھیں! گالی کے جواب میں گالی دینے سے ہم بھی ویسے بن جاتے ہیں اور یہی مخالفین چاہتے ہیں۔ اس لئے جب بھی کوئی علمی نوعیت کا اِعتراض کرے تو اُس کا علمی جواب دیں، مگر ہماری زبان سے ہمارا مصطفوی کارکن ہونا نظر آئے اور جب کوئی جاہلانہ روِش کے ساتھ گالی دے یا برا بھلا کہے تو اُس کیلئے صرف سلامتی کی دعا کریں۔

یاد رکھیں! حق کے خلاف پروپیگنڈا وقتی طور پر نقصان دِہ دکھائی دیتا ہے مگر بعد ازاں اُس میں اہلِ حق کا ہی بے شمار فائدہ ہوتا ہے، جو وقتی طور پر سمجھ میں نہیں آتا۔ ''حاسد کو اگر پتہ چل جائے کہ اُس کے حسد سے اہلِ حق کو کتنا فائدہ ہو رہا ہے تو وہ حسد میں آ کر حسد کرنا چھوڑ دے۔''

سیرتِ طیبہ میں اس کی ایک بہترین مثال موجود ہے۔ مشرکینِ مکہ کے پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر ایک بڑھیا شہر مکہ چھوڑ کر جا رہی تھی۔ نبی اکرم ﷺ اُس کی مدد کرنے کو اُس کا سامان اُٹھا کر ساتھ چل دیئے۔ کچھ دُور تک چلنے کے بعد وہ عورت بولی: تم بھلے آدمی معلوم ہوتے ہو، بہتر ہوگا کہ تم بھی یہ شہر چھوڑ دو۔ آپ ﷺ نے وجہ دریافت فرمائی تو وہ کہنے لگی کہ یہاں ایک جادوگر رہتا ہے، جو اُس کی بات سن لیتا ہے وہ اُسی کا ہو جاتا ہے، اُس کا نام محمد ہے، اُس سے بچ کر رہنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ محمد تو میں ہی ہوں۔ چند لمحے حضور ﷺ کے ساتھ چل کر وہ آپ کے اَخلاق و کردار سے اِتنا متاثر ہو چکی تھی کہ فوری اِسلام قبول کر لیا۔

اِس واقعہ میں دیگر بہت سی حکمتوں کے علاوہ ایک سبق منفی پروپیگنڈا کا اہلِ حق کیلئے فائدہ مند ہونا بھی ہے۔ اگر مشرکینِ مکہ حضور ﷺ کے خلاف اِتنا پروپیگنڈا نہ کرتے تو وہ بڑھیا یوں حقیقت کو قریب سے نہ دیکھ پاتی جتنا اُسے اس صورت میں موقع ملا۔ یہ مشرکینِ مکہ کا پروپیگنڈا ہی تھا، جس نے اُس بڑھیا کو تاجدارِ کائنات ﷺ کا پیغام براہِ راست سننے کا موقع دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۔

(آل عمران، ۳: ۵۴)

ترجمہ: ''پھر اُنہوں نے خفیہ سازش کی اور اللہ نے مخفی تدبیر فرمائی، اور اللہ سب سے بہتر مخفی تدبیر فرمانے والا ہے۔''

یوں اللہ ربّ العزت دین دُشمن طاقتوں کی تدبیروں کو بھی اِسلام کے مفاد میں اِستعمال کرتا ہے۔ پس اگر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے خلاف پروپیگنڈا کی وجہ سے نئے لوگوں تک تحریک کا اچھا یا برا پیغام پہنچ رہا ہے تو ہمیں اِس موقع کو ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہیئے۔

ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم منفی پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر شکست خوردگی کا مظاہرہ کرنے یا گالی گلوچ بکنے والوں کو جواباً گالی دینے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے ''بیداریٔ شعور'' کے لئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کا پیغام براہِ راست ذرائع (آپ کی تصانیف و خطابات) کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں کیونکہ یہی اس دور میں اصل جہاد ہے۔ اگر ہم میں سے ہر کارکن ''بیداریٔ شعور'' کے لئے شیخ الاسلام کے پیغام کو اُنہی کی زبان میں ہزاروں لاکھوں لوگوں تک پہنچانے میں اپنے دن رات صرف نہیں کر سکتا تو ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم منفی پروپیگنڈا سے پریشان ہوں یا مخالفین کو جوابی گالیوں سے نوازنے لگیں۔

تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا، اے عقاب!
یہ تو چلتی ہے تجھے اُونچا اُڑانے کے لئے

☆☆☆☆☆

محترم سہیل احمد رضا (ڈائریکٹر انٹر فیتھ ریلیشنز منہاج القرآن) کی ویٹی کن سٹی میں پوپ بینی ڈکٹ اور دیگر نامور سکالرز سے ملاقاتیں

تحریک منہاج القرآن کے ڈائریکٹر انٹرفیتھ ریلیشنز محترم سہیل احمد رضا نے اپنے دورۂ اٹلی کے دوران ویٹی کن سٹی میں پوپ بینی ڈکٹ سے ملاقات کی اور پوپ کو شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے دہشت گردی کے خلاف تفصیلی فتویٰ کی انگلش کتاب پیش کی۔ پوپ بینی ڈکٹ نے دہشت گردی کے خاتمے اور قیام امن کیلئے ڈاکٹر طاہرالقادری کی خدمات کو سراہا۔ اس موقع پر محترم سہیل احمد رضا نے پوپ کو تحریک منہاج القرآن کی عالمی سطح پر بین المذاہب رواداری اور قیام امن کیلئے کی جانیوالی کوششوں کی تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ مذاہب کے درمیان حائل خلیج کو ختم کرنے کیلئے کوشش کرنا ہر مذہب کے پیروکاروں کا اہم فریضہ ہے۔ اس حوالے سے انٹرفیتھ ریلیشنز منہاج القرآن انٹرنیشنل دنیا کے 90 ممالک میں مؤثر انداز میں کام کر رہی ہے۔

بعد ازاں محترم سہیل احمد رضا نے درج ذیل نامور عیسائی رہنماؤں اور دیگر سکالرز سے خصوصی ملاقاتیں کیں اور شیخ الاسلام کے دہشت گردی کے خلاف یا گیا فتویٰ پیش کیا۔

1: Pope Benedict XVI (Vatican City, Rome.)

2:Cardinal Jean Louis Touran (President Pontifical Council,Vatican.)

3:Archbishop Pier Luigi Celata,(President Nostra Aetate Foundation)

4:Dr. Richard K. Baawobr.(Superior General ، African countries.)

5:Dr.Julian Stephine (university of Paris.)

6:Dr.Felix Korner S.J.(Gregorian University Rome.)

7:Prof.Miguel Angel Ayuso.(Institute of Islamic Studies, Vatican.)

8:Prof. Mobeen Shahid, (University Cultural Research Institute Rome.)

9:Dr. Deniz Kilicher, (ambassador for the Holly See of Turkey.)

10:Archbishop Iasozo Chidi Deniz,(African Countries Association.)

11: Miss Tasnim Aslam(Ambassador of Pakistan in Italy.)

12:Prof. Dr. Paul L. Heck,(Georgetown University Washington USA.)

13:Prof Dr. Steven D Kepnes (Colgate University Hamilton)

14: Akram Masih Gill, (Ministry of Interfaith Harmony، Pakistan.)

15:Msgr. Dr. Edger Pena Parra,(Apostolic Nunciator in Pakistan)

16: Dr. Adnan Mokrani, (Tuniz University of Gregoriana Rome)

17 : Fr. James Channan. (president URI, Pakistan.)

18:Dr. Rev P.Glenn Morris OP,(University of Angeli cam, Rome.)